اصلاح

نمبر ۸ ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۳۳۲ھ جلد ۱۹

حجۃ العصر

یعنی

المہدی الموعود

تصنیف لطیف ممتاز الافاضل جناب مولوی سید محمد ہارون صاحب زنگی پوری مولوی فاضل وعلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الموجود فی کل مکان ولیس لہ مکان والغائب عن مشاھدۃ العیان مع کونہ من الاعیان والصلوٰۃ علی النبی الظاھر اٰیاتہ الباھرۃ ومنہ الفرقان المخفی کنہ فضلہ الذی حباہ بہ الرحمان وعلیٰ اٰلہ امناء الدیان وشرکاء القراٰن وبعد یہ رسالہ مختصرہ محض اس امر کے اظہار واثبات میں عجالۃً لکھا گیا ہے کہ جناب حجۃ العصر امام موعود والنصر حضرت مہدی موعود علیہ سلام الملک الودود اس وقت بھی موجود۔ بوجود ظاہری اور زندہ بحیات حقیقیہ حسیہ ہیں۔ اور یہ کہ حضرات اہلسنت جو منکر حیات وطول عمر جناب امام آخرالزمان ہیں۔ محض ہٹ دھرم اور متعنت ہیں ورنہ بیشمار دلیلیں آپ حضرت کی حیات پر موجود ہیں جن میں سے مشتے از خروارے اس رسالہ میں بیان کی گئی ہیں۔ امید کہ ناظرین رسالہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور فقیر محمد ہارون زنگی پوری کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔

اس رسالہ میں تین مقدمے ہیں اور دو مقصد ہیں۔ واللہ المستعان فی کل اٰن وعلیہ التکلان فی قاطبۃ الزمان۔

پہلا مقدمہ۔ یہ بات تمام علمائے فلسفہ خصوصًا ماہران فن طب کے نزدیک مسلمات سے ہے بلکہ اسقدر شہرت یافتہ ہو چکی ہے کہ بچہ بچہ تک جاننے لگا ہے کہ اجسام کی ترکیب عناصر سے ہے یعنی آگ۔ پانی۔ خاک اور ہوا جنہیں اربعہ عناصر بھی کہتے ہیں۔ خواہ ایک مرتبہ پیدا شدہ مانیں یا یہ کہ ان میں کسی کو مقدم اور کسی کو موخر تسلیم کریں مثلاً بعض فلاسفہ قدما کی رائے ہے کہ اصل الاصول آگ ہے۔ اسی سے پانی۔ ہوا اور خاک کی خلقت ہوئی ہے پھر دیگر اقسام بھی ان ہی کی تراکیب مختلفہ سے پیدا ہو گئے ہیں جیسا کہ حکیم اباسیس اور ایراقلیس سے

سے نقل کیا گیا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ اول عناصر پانی ہے جیسا کہ **طالیس ملطی** سے منقول ہے یہی پہلا وہ شخص ہے جو دنیا میں حکیم کے نام سے موسوم ہوا۔ اسکے بعد اوروں نے اس نام کے حاصل کرنے کی کوشش کی۔

یہی رائے درست بھی معلوم ہوتی ہے بلکہ واجب الاذعان ہے کیونکہ توراۃ کے سفر اول میں بھی اول عناصر پانی ہی کو بتایا گیا ہے اور حکیم الملیین عارف اکوان سماوات الارضین جناب علی ابن ابیطالب امیر المومنین علیہ السلام نے بھی کچھ ایسا ہی فرمایا ہے جیسا کہ آپکے بعض خطب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپنے کل آسمان و زمین کی خلقت پانی سے بتائی ہے۔ اور ظاہر قرآن مجید بھی اسی کی تائید کرتا ہے خدا تعالےٰ فرماتا ہے وجعلنا من الماء کل شئی حی افلا تعقلون ہم نے ہر صاحب حیات کو پانی سے پیدا کیا ہے تو کیا تم سمجھتے نہیں؟

بہرحال خواہ اول عناصر پانی ہو یا آگ۔ ہوا ہو یا خاک مگر انکے بعد جن اجسام کی خلقت ہوئی ہے وہ انہی کی باہمی ترکیب سے ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے ان عناصر اربعہ کو ارکان بھی کہتے ہیں یعنی جس طرح رکن و ستون کسی عمارت کے قائم رہنے کا ذریعہ ہوسکتے ہیں اُسی طرح یہ عناصر اربعہ بھی عمارت اجسام کے قیام کا ذریعہ ہیں **زمانہ** عصر جدید کے فلاسفہ کا خیال ہے کہ عناصر صرف چار ہی نہیں ہیں بلکہ چونسٹھ یا اس سے زیادہ ہیں۔ یہ لوگ پارے۔ گندھک۔ تانبے۔ چاندی کو بھی عنصر مانتے ہیں کیونکہ تحلیل اجسام سے یہ اجزا خارج ہوتے ہیں **لیکن** در اصل یہ خیال خام ہے۔ کیونکہ عناصر سے مراد اصل الاصول یعنی تمام اجسام کی ترکیب کا جزو اصلی ابتدائی ہے اور یہ اجزا جو بعد تحلیل اور کیمسٹری کے نکلتے ہیں وہ خود بھی عناصر اربعہ ہی سے ترکیب یافتہ ہیں تو انکو عناصر کہنا بیجا ہے ہاں اجزائے ترکیبیہ بعض اجسام کے کہنا مضائقہ نہیں رکھتا۔ اور یہ کہ یہ اجزا خود عناصر اربعہ سے ہی مرکب ہیں۔ اور بعد اپنی ترکیب کے دیگر اجسام کی ترکیبوں میں داخل ہوگئے ہیں کتب فلسفیہ طبعیہ کے پڑھنے سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے۔ چونکہ یہ مقام اُسکی تحقیق کا نہیں ہے بلکہ یہ بحث استطرادی ہے لہذا یہاں اُسے ترک کیا جاتا ہے تاکہ تطویل بے سبب سے رسالہ کا حجم نہ بڑھایا جاوے۔

دوسرا مقدمہ اس قدر اور یاد رکھنا چاہیے کہ عناصر اربعہ اپنی کیفیتوں میں بجد مختلف ہیں۔ کوئی گرم ہے تو کوئی سرد۔ کوئی تر ہے تو کوئی خشک۔ نہ سرد کو گرم سے کوئی مناسبت ہے نہ خشک کو تر سے کوئی قرب و ربط حاصل ہے۔ مگر باوجود اسکے ان مختلف کیفیتوں والے عناصر سے پروردگار عالم نے اجسام عالم کو پیدا کیا ہے۔ خواہ اجسام نباتی ہوں یا جمادی یا حیوانی۔ مگر پیدا کرنے کی یہ ترکیب رکھی ہے کہ کسی عنصر کی کوئی کیفیت کسی کا کوئی وزن کم بیش کر دیا ہے اور اس طرح اُن کو باہم مخلوط فرما کر اجسام کو تیار کیا ہے کیونکہ یہ بات تو عقلاً محال ہے کہ

عناصر اربعہ سب ہموزن اور ہم کیفیت ہوں اور پھر اُنسے اجسام کی ترکیب ہو سکے۔ اس لیے کہ اگر مثلاً جس قوت وکیفیت کے ساتھ آگ گرم ہو اُسی قوت وکیفیت کے ساتھ پانی سرد ہو تو پانی نہ آگ کی حرارت کو کم کر سکیگا اور نہ آگ پانی کی سردی کو توڑ سکیگی تو کسی طرح اُن میں ترکیب ہی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب تک ہر ایک ان چاروں میں سے دوسرے کی کیفیت کو کمزور نہ کرے میل ملاپ باہمی نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ جب تک میل جول ان چاروں میں نہوگا ترکیب بھی نہ ہو سکیگی۔ اسی میل جول کو فن طب میں مزاج کہتے ہیں۔

تیسرا مقدمہ اسی مزاج کی حکمانے دو قسمیں کی ہیں۔ ایک معتدل۔ دوسرا غیر معتدل۔ **معتدل** تو اُسکو کہتے ہیں جسکی چاروں کیفیتیں یعنی گرمی، سردی، خشکی اور تری قریب قریب مساوی ہوں یعنی جس قوت کی گرمی ہو اُسی قوت کے درجے کی سردی ہو۔ اور جس درجے کی تری ہو اُسی سے قریب قریب خشکی کا بھی درجہ ہو۔

اور **غیر معتدل** اُس مزاج کو کہتے ہیں جسکی کیفیتوں میں زیادہ کمی بیشی ہو مثلاً یبوست زیادہ ہو۔ یا رطوبت۔ حرارت زیادہ ہو۔ یا برودت۔ یا دو دو کیفیتیں زیادہ وکم ہوں مثلاً حرارت ورطوبت زیادہ ہو یا کم۔ یا برودت و یبوست زیادہ ہو یا کم وغیرہ وغیرہ۔

پہلا مقصد ان مقدمات کے معلوم کر لینے کے بعد اس امر کا سمجھنا بہت آسان ہے کہ جسقدر کسی جسم کا مزاج معتدل ہوگا اُسی قدر صحت زیادہ درست ہوگی اور جس قدر صحت درست ہوگی اُسی قدر قدرۃً اُسکی بقا کا زمانہ بھی زیادہ ہوگا۔ اس وجہ سے موت اور فنا اُسی وقت کسی شے میں آتی ہے جبکہ اُس کے قوائے تحلیل ہو جاتے ہیں اور یہ تحلل وتحلیل اُسی وقت پائی جائیگی جبکہ اجزائے ترکیبیہ میں زیادہ تفرقہ حرارت۔ برودت رطوبت یا یبوست کا ہو۔ ورنہ اگر تمام کیفیتیں مساوی درجے کی یا قریب بمساوی ہیں تو کسی کیفیت کا دباؤ دوسری کیفیت پر نہ پڑیگا لہٰذا قوائے جسمانیہ تحلل سے محفوظ رہکر عرصے تک اجسام کو قائم رکھ سکینگے۔

مزاجوں کا تفرقہ تو ایسا ہے جس سے کوئی عاقل انکار ہی نہیں کر سکتا۔ مثلاً جو ایک پتھر کا مزاج ہے وہ ایک درخت کا نہیں۔ جو ایک درخت کا مزاج ہے وہ ایک عام حیوان کا نہیں۔ جو ایک عام حیوان کا مزاج ہے وہ ایک انسان کا نہیں۔

کیا یہ بات بالکل محسوس نہیں ہے کہ اگر ہم پتھر پر چوٹ لگائیں تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے لیکن اگر

سونے یا چاندی پر چوٹ لگائیں تو وہ بجائے ٹوٹ جانے کے کسی قدر طول وعرض میں بڑھ جائیگی اور اگر درخت پر چوٹ لگائیں تو دب جائیگا۔ اور اگر جسم حیوان پر چوٹ لگائیں تو بجائے دبنے کے اس میں ورم پیدا ہو جائیگا۔

یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کی قوتوں میں عظیم الشان تفرقہ ہے بلکہ ہر نوع کی ہر صنف میں اور ہر صنف کی ہر فرد میں بھی ظاہر اور نمایاں فرق حس اور مشاہدے سے معلوم ہے۔

اور جبکہ انسان کی ترکیب بھی ان ہی ارکان اربعہ سے ہوئی ہے تو لازم ہے کہ اس میں بھی مزاج پایا جاتا ہو اور فی الواقع بھی ایسا ہی ہے بلکہ تمام مرکبات عنصریہ کی مزاجی کیفیت کی بہ نسبت انسان کا مزاج زیادہ تر معتدل واقع ہوا ہے۔ اس کے بعد کوئی ترکیب عنصری ایسا نہیں جسکی ترکیب و کیفیت مزاجیہ انسان کے مزاج سے بہتر ہو کیونکہ انسان کی ترکیب تمام ترکیبات کی ترقی کا آخری زینہ ہے۔ سب سے پہلی ترکیب جمادات کی ہے جس میں کیفیت مزاجیہ بہت کمزور ہے۔ اُسکے بعد درجہ نباتات کا ہے جو جمادات کی بہ نسبت زیادہ قوی اور دارائے قوت روحانیہ نباتیہ ہے۔ اُسکے بعد درجہ ترکیب حیوانی کا ہے جو بہ نسبت ترکیب نباتات کے قوی تر ترکیب رکھتے ہیں۔

یہی نہیں ہے کہ ہر ایک مابعد کی نوع اپنے ماقبل کی نوع سے مزاج و ترکیب میں ترقی یافتہ ہے بلکہ ہر نوع کے اصناف میں بھی بہ نسبت بعض کے قوت اور زیادتی ہے مثلاً ایک کنکر کی ترکیب سے پہاڑی پتھر کی ترکیب بڑھی ہوئی ہے اور اُس سے سنگ مرمر کی اور اُس سے یاقوت و زمرد وغیرہ کی اور اُس سے الماس کی۔

اسی طرح نباتات میں بھی ہے کہ فصلی پودوں سے اُن درختوں کی ترکیب قوی تر ہے جو سال دو سال تک قیام کرتے ہیں۔ اُنسے وہ درخت ترکیب و مزاج میں زیادہ قوی ہیں جو دس بیس سال تک باقی رہ سکتے ہیں۔

جو درخت کہ محض بے پھل پھول کے ہیں اُنسے وہ درخت جو پھول دیتے ہیں قوی الترکیب اور حسن المزاج ہیں۔ اور جو فقط پھول دیتے ہیں اُن سے وہ درخت جو پھل پھول دونوں دیتے ہیں جید الترکیب اور جید المزاج ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس حیوانات میں بھی تفرقہ ہے کیڑے مکوڑوں سے پرندوں کی ترکیب و مزاج جید ہے پرندوں سے چرندوں کی

ترکیب و مزاج - پرندوں سے درندوں کی - اور درندوں سے حضرت انسان کی ساخت ترکیبی اور مزاجی قوی تر ہے - انکی ترکیب مزاجی سب سے بہتر اور بلند پیمانہ پر ہے - اسی وجہ سے دیگر مرکبات میں قوت متصرفہ اور نفس ناطقہ نہیں ہے مگر انسان میں موجود ہے -

یہ انسان تمام اُن چیزوں کو اپنے میں رکھتا ہے جو ماقبل کی نوعوں میں موجود ہیں - اسکے اندر جماد کا بھی اثر ہے - روح نباتی بھی موجود ہے - روح حیوانی بھی پائی جاتی ہے اور علاوہ ان سب کے **نفس ناطقہ** اور روح انسانی بھی موجود ہے جسکی وجہ سے اسکو **اشرف المخلوقات** کا خطاب ملا اور سب پر غالب اور ہر ایک کو اپنے کام میں صرف کرنیوالا ہو گیا -

لیکن تمام انسان ایک ہی قوت کے نہیں ہیں - ورنہ سب کی قوت ادراکیہ - قوت جسمیہ - قوت روحانیہ برابر ہوتی - سب کا زمانہ حیات و موت - سب کی صحت و مرض کا حال یکساں ہوتا - حالانکہ ایسا نہیں ہے - اسی انسان میں وہ بھی ہیں جو ہمیشہ مریض رہتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو شاذ و نادر مریض ہوتے ہیں - وہ بھی ہیں جو نہایت ضعیف ہیں اور وہ بھی جو بہت زیادہ قوی - وہ بھی ہیں جو پیدا ہوتے ہی مرجاتے ہیں اور وہ بھی جو کئی سو برس تک زندہ رہ سکتے ہیں - وہ بھی ہیں جو معمولی باتوں کو نہیں سمجھ سکتے اور وہ بھی جو اپنی قوت دماغیہ سے عجائب امور کا اظہار کرسکتے اور نت نئی باتیں سوچتے سمجھتے اور اُسکے آثار کو ظاہر کرسکتے ہیں -

اسی تفرقہ کے لحاظ سے اس نوع انسانی میں بھی سیکڑوں بلکہ ہزاروں درجات ہیں جن میں سے بعض پست ہیں اور بعض بلند - بعض تنزل کی حالت میں ہیں اور بعض کمال ترقی پر پہنچے ہوئے -

اس میں کسی طرح کا شک نہیں کہ قوی ترین صنف انسان وہ صنف ہے جسکی صحت بدنی صحت دماغی اور روحانیت بہ نسبت اوروں کے زیادہ ہے اور جیسے معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے - اسی وجہ سے پڑھے لکھے لوگ ان پڑھوں سے اور علما غیر علماء سے اور حکما غیر حکماء سے اشرف و اعلےٰ طبقۂ انسانیہ پر فائز ہیں -

یہ درجات ترقی اتفاقی اور دہری نہیں ہو سکتے کیونکہ اتفاق محض اور زمانہ لاشعور کو یہ ادراک کہاں کہ اس سلسلہ سے درجات تنزل و ترقی کو قائم کرسکے بلکہ جو ان سب کا ترکیب دینے والا ہے اُسنے خاص طور کی حکمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان ترکیبات کو قائم کیا ہے -

اُسنے ضرور یہ بات ملحوظ رکھی ہے کہ اُسکی قدرت کاملہ کا ثبوت ان مدارج ترقی و تنزل پر نظر کرنے سے ہر وقت ہوتا رہے اور یہی منجملہ اُن آیات الٰہیہ کے ہے جن کو اُسنے بغرض ہدایت ذوی العقول کے قائم کیا ہے وفی الارض اٰیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون

بالجملہ آخر مدارج ترقی مرکبات عنصریہ کا انسان ہے اور انسانوں کی ترقی کا آخری زینہ انبیا اور اوصیاء ہیں۔ کیونکہ تاریخ ہمیں اچھی طرح بتاتی اور بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ انبیا کی ساخت اور وضع اور انکے قوٰی و ادراک عام انسانوں سے یقیناً اس قدر زیادہ تھے کہ وہ لوگ باوجود کمال کے بھی ان حضرات کے درجات کمالیہ کو نہیں پہچان سکتے تھے۔

ان حضرات انبیا اور اوصیاء سے امور مافوق العادۃ کا ظاہر ہونا انکی روحانیت کا اس قدر زیادہ ہونا کہ باوجود جسمانی ہونے کے روحانیات سے ملاقات کرتے (اور کبھی اُن سے ہم کلام بھی ہو لیتے تھے) انکے قوائے جسمانیہ کا سب سے زیادہ ہونا کہ گراں سے گراں شے بھی اُن کے ہاتھوں کی قوت کے سامنے پرکاہ معلوم ہوتی تھی۔ انکے قوائے نفسانیہ کا عموماً اس قدر بڑھا ہونا کہ عام انسانوں میں ہرگز ویسے قوٰی متصور بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کے قوائے اخلاقیہ کا عموم انسان کی نسبت ہزاروں بلکہ لاکھوں درجہ زیادہ ہونا جس سے مافوق بالکل ناممکن عادی ہو۔ صاف دلیل ہے ہمارے اس دعوے کی حضرات انبیا و اوصیا بالکل آخری زینہ ترقی نوع انسانی کے تھے۔

اور ظاہر ہے جیسا کہ ہمارے سابق مقدمات نے بتایا کہ یہ کمالات اُسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ اعتدال مزاج و ترکیب بھی اعلےٰ درجے پر ہو۔ اور جبکہ اعتدال مزاجی اعلےٰ درجہ پر ہوگا تو **صحت جسمانیہ اور روحانیہ** بھی لئے اعلےٰ پیمانہ پر ہوگی اور جب صحت اعلےٰ پیمانہ پر ہوگی تو تحلل قوائے بھی کم ہوگا۔ اور جب تحلل قوائے کم ہوگا تو ضعف بھی نہ پیدا ہوگا۔ اور جب ایسا ہوگا تو روح حیوانی (جو باعث حیات ہر ذی حیات ہے) بھی تحلل سے محفوظ رہیگی۔ اور جب روح تحلل سے محفوظ رہیگی تو بقا بھی زیادہ ہوگا **اور یہی معنی طول عمر** کے ہیں۔

لیکن یہ طول عمر اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ اسباب خارجیہ معارض اُن اسباب فطریہ کے نہ ہوں اور طول حیات اور اُس شخص کے درمیان حائل نہ ہوں۔ ورنہ اگر ایسا

ہوگا تو ہرگز طول عمر حاصل نہو سکیگا۔

مثلاً ایک شخص ایک گھڑی بناتا ہے۔ اور اسکے پرزے اس طرح کے مرتب کرتا ہے جسکی گارنٹی مثلاً دس برس کی ہوسکتی ہے اور وہ دعوے بھی کرتا ہے کہ یہ گھڑی ایسی محکم ہے کہ دس سال تک ہرگز اس میں خلل نہ پڑیگا۔ لیکن ایک بچہ آتا ہے۔ اُسے زمین پر گرا دیتا ہے یا اُسکی کوک اُلٹی پھیر دیتا ہے اور وہ گھڑی دو ہی مہینے کے اندر ٹوٹ جاتی ہے اور اپنے کام سے معطل۔ کیونکہ سبب خارجی ایسا اُس پر آکر پڑا جس نے اُس کی اصل ساخت کے قانون کو توڑ دیا۔ اور قبل از وقت اُسے خراب کر چھوڑا۔

یہی حال انسانوں کی زندگی کا بھی بعینہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی اصلی فطرت پر چھوڑ دئیے جائیں تو یقیناً عمر طبعی فطری تک پہنچ جائینگے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا بلکہ قبل از وقت ایسے مخالف زندگی اسباب مہیا کئے جاتے ہیں کہ جن سے طبیعت مغلوب ہو کر اپنی فطرت اور اصلی قانون سے پلٹ جاتی ہے۔ اور اس وجہ سے قبل از وقت فطری موت آجاتی ہے مثلاً غذاؤں کی بے ترتیبی۔ آب وہوا کی بے ترتیبی۔ محنت شاقہ فوق العادۃ کا تحمل کرنا۔ یا سمیات کا استعمال یا قتل بالسیف وغیرہ وغیرہ۔ ایسے امور ہیں جو اصلی قانون فطرت کے نافذ رہنے میں خلل انداز ہو کر انسان کو قبل از وقت ہلاک کر دیتے ہیں۔ اگر یہ امور نہ واقع ہوتے تو یقیناً وہ اپنی حد طبیعی تک لامحالہ پہنچ جاتا۔

یہی سبب ہے کہ جو لوگ احتیاط سے کام لیتے ہیں اور اپنے قوائے جسمانیہ اور روحانیہ کی حفاظت کرتے ہیں وہ مریض بھی کم ہوتے ہیں۔ اُنکی روح بھی تحلل سے بچی رہتی ہے اور وہ بہ نسبت اپنے دیگر برادران نوعی کے زیادہ زندہ رہتے ہیں۔

اور یہی سبب ہے کہ اکثر علمائے ہند۔ حکمائے یونان۔ عقلائے عرب اور انبیاء علیہم السلام کی عمریں زیادہ زیادہ ہوئی ہیں۔ کوئی دو سو برس تک زندہ رہا ہے۔ کوئی تین سو برس تک کوئی پانچسو برس تک تو کوئی نوسو برس سے بھی زیادہ دنوں تک زندہ رہکر اپنی اصلی اور فطری ساخت اور مزاج کی قوت کا پتہ دیتا ہوا دنیا سے جدا ہوا ہے۔ اور خطہ خاک کو خیرباد کہا ہے۔

اس ہماری تقریر سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی ہوگی کہ ازبسکہ انبیا و اوصیا کے لئے اعتدال مزاجی اعلےٰ درجہ پر اور انتہائی پیمانہ پر حاصل تھا اس وجہ سے عقلاً لازم تھا کہ وہ حضرات نامعلوم زمانہ تک زندہ رہ سکتے تھے۔ کیونکہ جنکے لئے کوئی سبب خارجی ہلاکت کا پیدا نہیں ہوا وہ مثل کے لئے اب تک موجود بھی ہیں۔ مثلاً جناب خضر۔ جناب الیاس۔ جناب ادریس اور جناب عیسےٰ روح اللہ علیہم السلام البتہ چونکہ زمانے نے اوروں کے ساتھ ناموافقت کی۔ طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ طرح طرح کے رنج دئے۔ گوناگوں صدمات پہنچائے قسم قسم کی مصیبتیں اُنپر نازل کیں۔ جسمانی ایذائیں اور مصیبتیں الگ۔ روحانی مصیبتیں اور ایذائیں الگ۔ اس وجہ سے ممکن نہو سکا کہ وہ حضرات دنیا میں بہت دنوں تک زندہ رہتے۔

دیکھئے جناب زکریا پیغامبر کو درخت کے اندر چیر ڈالا گیا۔ اور جناب یحیےٰ علیہ السلام کو حالت عبادت سے اُٹھا کر دربار میں بُلایا گیا اور طشت میں لٹا کر اُنکا سر کاٹا گیا۔ جرجیس پیغامبر کو بادشاہ موصل نے نہایت ایذاؤں سے مار ڈالا۔ دانیال پیغامبر کو سلطان بابل نے جسکا نام عہرویہ تھا سخت ایذاؤں سے شہید کیا۔

جناب عیسےٰ علیہ السلام پر بھی گرفتاری جاری ہوئی اور اُنکے دھوکے میں ایک شخص کو پھانسی دی گئی۔ کیخسرو بادشاہ مجوسی نے چار سو نبیوں کو مار ڈالا۔

جناب نوح پر اُنکی قوم نے اس قدر مصائب وارد کئے جنکا کوئی حصر و شمار نہیں ہو سکتا۔ یہانتک کہ مجبور ہو کر حضرت نے بددعا کی اور فرمایا ربّ لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔

جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ کو اسقدر مصائب کا سامنا کرنا پڑا کہ بیان اُنکا اس مختصر رسالہ میں ناممکن ہے۔ راہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ پشت مبارک پر کوڑا پھینکا گیا۔ روبرو کلمات سخت کا استعمال کیا گیا۔ کسی نے دیوانہ بنایا۔ کسی نے شاعر لاابالی کہدیا۔ کسی نے زائل العقل سمجھا اور کہا۔ وطن میں جب تنگ رہے کئی سال تک درہ ابوطالب میں قید کئے گئے۔ رسد بند کی گئی۔ آب و طعام کی آمد و رفت کی راہ مسدود کی گئی۔ یہانتک کہ نہایت خفیہ طور پر آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ راہ میں جو صعوبات آپ پر پڑیں وہ تحلیل

روح انسان کے لئے کم نہیں ہیں۔ خوف علیحدہ۔ بے یاری و مددگاری علیحدہ۔ پیدل چلنے کی زحمت ایک طرف۔ آفتاب میں چلنا ایک طرف۔ وطن سے علیحدگی کا ملال ایک طرف۔ بھوک پیاس کی تکلیف جداگانہ۔ خاص عزیزوں سے علیحدگی کا صدمہ جدا۔ غرض اکثر و بیشتر انبیا انہی صدمات و آلام و مصائب کا شکار ہوئے اور کسی کو موقع نہ دیا گیا کہ اپنی حد طبعی عمر تک پہنچ سکے۔

بالجملہ یہ درجات ترقی جسقدر بیان ہوئے جس طرح سے انواع ماتحت میں پائے جاتے ہیں اور بڑھتے گئے ہیں اُسی طرح نوع انسانی میں بھی بڑھتے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ انبیا علیہم السلام میں آکر ختم ہو گئے۔ مگر ایسا نہیں ہے کہ ہر نبی یا رسول ایک ہی طرح کی ترقی اعتدال مزاجی رکھتا رہا ہو ورنہ سب کے حالات یکساں ہوتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان میں بھی اعتدال مزاجی کے درجات میں تفرقہ رہا ہے۔ **اسی وجہ سے** بعض نبی ہوئے اور بعض رسول۔ بعض اولوالعزم رسول ہوئے اور بعض غیر اولوالعزم یہاں تک کہ نوبت جناب **خاتم النبیین** صلے اللہ علیہ وآلہ تک پہنچی۔ یہاں اعتدال مزاجی اس پیمانہ پر تھا کہ اس سے سابق میں اسکا مثل ہوا ہی نہیں۔ اور نہ آیندہ ممکن ہے۔ کیونکہ یہ آخری مرتبہ ترقی کا تھا جس کے بعد کسی درجہ کا محل باقی ہی نہیں رہتا۔ **اسی وجہ سے** عموم حضرات انبیا و مرسلین کی بہ نسبت اور عموم حکماء و عرفاء کے لحاظ سے آپ کی روحانی قوت اور ادراکی۔ اخلاقی۔ علمی اور عملی قوتیں بہت زیادہ تھیں بلکہ ایسی کہ جس سے مافوق متصور نہو اور **اسی سبب سے** آپ میں وہ تمام کمالات موجود تھے جو دیگر انبیاء و رسل میں تھے اور علاوہ اُنکے بھی۔

چونکہ آپ خاتم النبیین تھے اور آخری درجہ ترقی اعتدال مزاجی پر فائز تو آپکے **قائم مقام** حضرات بھی جو مثل آپ کے اجزائے جسمیہ کے تھے جیسا کہ آپکے ارشاد سے منصوص طور پر سمجھا جاتا ہے لحمہ لحمی و دمہ دمی (کمافی الصواعق المحرقہ والینابیع) اُسی درجہ ترقی پر فائز تھے اور جیسی روحانیت و جسمانیت جناب خاتم النبیین میں موجود تھی ویسی ہی انکے قائم مقاموں میں بھی موجود تھی۔ سیر و تواریخ پر نظر صحیح ڈالنے والے اسے

اچھی طرح جانتے اور اسپر یقین رکھتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح ما فوق العادۃ اور خوارق الفطرۃ امور جناب خاتم النبیین سے ظہور میں آتے رہے اُسی طرح انکے قائم مقاموں سے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ جن سے ثابت ہوا کہ ان تمام حضرات میں اعتدال مزاجی نوع انسانی کا انتہائے کمال پر موجود تھا اور جسکی وجہ سے لازم تھا کہ ان تمام حضرات کو **طول عمر** بھی عموم ناس کی بہ نسبت زیادہ حاصل ہوتا۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ جو لوگ انسے کم درجے کی ترقی اعتدال رکھتے تھے وہ تو دو سو۔ چار سو۔ ہزار دو ہزار برس تک زندہ رہیں اور جن میں پورا اعتدال مزاجی ممکن الحصول موجود ہو وہ سو برس بلکہ اسّی برس تک بھی زندہ نہ رہیں۔

لیکن عذر واضح ہے۔ کیونکہ اسباب خارجیہ اُنکے اور قانون حیات کے درمیان ایسے حائل ہوئے تھے جو ہرگز اپنی اصلی حد تک اُسکو ہرگز پہنچنے نہ دے سکتے تھے کیا آپ کو یقین نہیں کہ جناب سرور کائنات خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زہر دیا گیا جسنے آپکے اعتدال مزاجی میں خرابی واقع کر دی۔ اور قانون قدرت ٹوٹ گیا۔ یہاں تک کہ صرف ترسٹھ سال کی عمر میں آپنے دنیا کو خیرباد فرمایا۔

کیا **امیر المومنین** جناب علی بن ابیطالب علیہ السلام کو زہر آلود تلوار سے زخمی نہیں کیا گیا جسکے اثر سے تمام جسم حضرت کا زرد ہو گیا اور اعتدال ترکیبی بدنی میں سخت خلل واقع ہوا۔ اور یہ علاوہ اُن صدمات کے تھا جو روح فرسا اور جانگزا تھے جن کا وقوع اس سے پہلے بیشتر مرتبہ ہو چکا تھا۔ منجملہ اُنکے تحلل روح کے واسطے صرف وہی واقعہ کافی تھا جس میں آپ نے فرمایا ہے "اری تراثی نهبا وفی العین قذی وفی الحلق شجی"۔ یہانتک کہ آپ بھی ترسٹھ ہی سال کی عمر میں دنیا سے رحلت فرما ہوئے اور اس سے زیادہ اس دیر خراب میں نہ رہ سکے۔

کیا ریحانۃ الرسول جناب امام حسن علیہ السلام کو بھی زہر ہلاہل نہیں پلایا گیا جس نے آپ کے اعتدال مزاجی فطری کو بدلا اور قبل از وقت آپ کو بھی یہاں سے جانا پڑا۔

کیا جناب امام حسین علیہ السلام قرۃ العین رسول الثقلین کو بھی انواع واقسام کے روح فرسا مصائب پہنچا کر آخر خنجر بے آب سے شہید نہیں کیا گیا؟ اور اس طرح آپ کی زندگانی فطری کا خاتمہ قبل از وقت نہیں ہوا؟

علیٰ ہذا القیاس دیگر قائم مقامان رسول خدا خاتم النبیین محمد مصطفٰے علیہم السلام کو بھی ہزاروں طرح کی مالی جسمانی اور روحانی۔ ظاہری اور باطنی۔ سختی اور مصائب و اذیتیں پہنچا پہنچا کر قتل کر دیا گیا جن کا آخری نمبر زہر خورانی تھا۔

تاریخ کی اوراق گردانی کرنیوالے حضرات پر یہ امور کسی طرح مخفی نہیں رہ سکتے۔ ہاں اور ہاں جس تک اہل زمانہ کی دست بُرد اور اُنکے ظلم و جور کا اثر نہیں پہنچا یا کم پہنچا اور جیسے کسی قاتل کے بیرحم ہاتھوں نے اپنی خونخوار تلوار سے مس کیا۔ اور جسے چشم حسادنے اپنی حسد آلود آنکھوں سے نگاہ بھر کر نہیں دیکھا وہ صرف ایک ذات قدسی صفات ہے جسے ہم حجۃ اللہ۔ امام آخر الزمان۔ حجۃ العصر۔ امام غائب۔ امام منتظر اور مہدی موعود کہتے ہیں۔

پس لامحالہ آپکا زمانہ عمر اور وقت حیات کا طولانی ہونا۔ مدت دراز تک زندہ رہنا۔ اور بہ نسبت بنی نوع انسان کے زیادہ طویل العمر ہونا عقلاً لازم اور قدرۃً واجب ہے۔

یہ ایک جواب ہے اُن لوگوں کا جو حضرت حجۃ العصر کے طویل العمر ہونے میں استبعاد سے کام لیتے اور بیچارے شیعوں پر بیجا استہزا کرتے ہیں کیا وہ شخص جسکا اعتدال مزاجی اس پیمانہ پر ہو کہ بچپنے ہی میں صاحب کمالات فوق العادۃ۔ اور صاحب کرامات فوق المحسوس اور صاحب قوت قدسیہ اور عارف معارف الٰہیہ ہو جیسا کہ صاحب صواعق محرقہ نے اعتراف کیا ہے۔ دیکھو صواعق محرقہ صفحہ ۱۴۴۔ ابی القاسم محمد الحجۃ وعمرہ عند وفاۃ ابیہ خمس سنین لکن اتاہ اللہ فیہا الحکمۃ ویسمی القائم المنتظر بارھویں ابو القاسم محمد حجت ہیں انکی عمر اپنے باپ کی وفات کے وقت پانچ برس کی تھی لیکن اسی وقت خدا تعالےٰ نے اُنکو علم و حکمت دیکا تھی و حکیم بنا دیا تھا اُن کا نام قائم منتظر ہے۔ نیز ابن خلکان نے بھی اسکا اعتراف و اقرار کیا ہے

کہ آپ اسی سن میں حکیم و عالم تھے۔ باوجودیکہ پانچ برس سے زیادہ آپ کا سن نہ تھا جبکہ آپکے والد بزرگوار نے وفات پائی ہے) اسکی مدت عمر حضرت عیسےٰؑ سے بھی کم ہونی چاہیے، نہیں نہیں!! بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ کیونکہ یہ امر مسلمات میں سے ہے کہ رسول اللہ کی قوت قدسیہ ملکوتیہ جناب روح اللہ علیہ السلام سے بہت زیادہ تھی تو آپکے قائم مقاموں اور اُنکے اوصیاء کی قوائے قدسیہ ملکوتیہ اور اعتدال جسمانی مزاجی جو آپ کے کالجزو تھے بھی اُن سے زیادہ ہونی لازم ہے اور جبکہ باوجود کمی کے کئی ہزار برس تک جناب عیسےٰ زندہ رہ سکتے ہیں تو قائم آل محمد کو بھی کئی ہزار برس تک زندہ رہنا چاہیے۔

اس مقام پر چند شعر نمونہ لکھدینے مناسب معلوم ہوتے ہیں جنسے یقین ہو جائے کہ کس طرح قوائے علمیہ قدسیہ جناب صاحب الامر علیہ السلام کے صغر سن ہی میں فوق العادۃ تھے! پروردگار عالم جناب عیسےٰ علیہ السلام کی نسبت ارشاد فرماتا ہے "ویکلم الناس فی المھد وکھلا" عیسےٰ علیہ السلام لوگوں سے گہوارے میں باتیں کرتے تھے۔ (جبکہ بالکل بچے تھے) اور سن کہولیت میں بھی۔ پھر جناب عیسےٰ کی وہ گفتگو بھی اُسی سن کی جبکہ وہ آغوش میں تھے قرآن مجید میں نقل فرمائی ہے "قال انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا ؛ وجعلنی مبارکا اینما کنت۔ واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیا ؛ وبرا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیا ؛ والسلام علیّ یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا ؛ ذلک عیسی ابن مریم قول الحق الذی فیہ یمترون" (مریم)

اس کلام میں پروردگار عالم نے وہ کلمات جناب عیسےٰ بن مریم کے نقل فرمائے ہیں جو عظیم الشان اخلاق اور کمال عرفان اور نہایت حکمت پر مشتمل ہیں جو دوسروں کی زبان سے بعد تحصیل علوم اور اکتساب معارف کے بھی بمشکل نکل سکتے ہیں اوّل اعتراف عبدیت یعنی اپنا بندہ ہونا ظاہر فرمایا اور پروردگار عالم کا معبود برحق ہونا بیان کیا جو اچھی طرح ثابت کر رہا ہے کہ آپ سلسلۂ علت و معلول کو خوب سمجھے ہوئے تھے اور یہ کہ حق معبودیت سوائے پروردگار عالم کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ کا سمجھنا جسقدر باریک مقدمات حکمیہ فلسفیہ کے سمجھنے پر موقوف ہے اہل علم سے مخفی نہیں ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جناب روح اللہ ان

تمام مدارج کو قبل اس تکلم کے طے کر چکے ہیں اور صرف نتیجہ کے بیان کر دینے کی دیر ہے جسے ان لفظوں میں ادا فرماتے ہیں۔ **دوم**۔ پروردگار عالم کو لفظ اللہ سے یاد کیا ہے جو دلیل ہے اس امر کی کہ آپ کو اسی زمانۂ طفولیت بلکہ رضاعت میں اسم ذات اور اسم صفت کا فرق معلوم و متیقن تھا۔ اور یہ بھی معلوم تھا کہ پروردگار عالم نہ اس سبب سے معبود ہے کہ وہ رحیم و رحمن یا خالق و رازق ہے بلکہ خود اُسکا الٰہ ہونا ہی اُسکی عبادت کے وجوب کو ثابت کرتا ہے جیسا کہ ایک معصوم اور جلیل ممبر خاندان رسالت نے اپنے اس کلام معجز انتظام میں ظاہر فرمایا ہے کہ "ما عبدتک خوفاً من نارک ولا شوقاً الی جنتک ولکن وجدتک اہلاً لک فعبدتک"۔ **سوم** اپنے تئیں کتاب خدا کا ملنا ظاہر فرمایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ میں اُس وقت ہی اتنی قوت ادراکیہ دماغیہ بطور اکمل موجود تھی کہ انسان تو انسان خدا تعالے کے کلام کو بھی سمجھ سکتے تھے۔ اور نہ صرف سمجھ سکتے تھے بلکہ اسکے اہل تھے کہ پروردگار عالم اُنکے پاس اپنی کتاب بھیجے۔ **چہارم** اس مسئلہ معرکۃ الآراء کو بھی خوب سمجھے ہوئے تھے کہ انسان کو اپنی زندگی کے ایام کی بسر برد میں ایک معصوم ہادی اور مصلح احوال و اخلاق کی بھی ضرورت شدیدہ ہے جسکو سمجھنے میں بڑے بڑے عقلائے زمانہ کو پس و پیش رہا ہے۔ بلکہ اکثر عقلا و حکما تو اسکے سمجھنے سے بالکل قاصر ہی رہے ہیں۔ اور نہ صرف سمجھے ہوئے تھے بلکہ اپنے نفس کا عرفان بھی اس مرتبہ پر آپ کو حاصل تھا کہ جو امور نبوت کے لئے مشروط ہیں اُنکو اپنے میں مجتمع پاتے تھے اور جسکی بنیاد پر آپ نے فرمایا کہ وجعلنی نبیاً۔ **پنجم** یہ اخلاقی مسئلہ بھی اُسی وقت آپکے نزدیک طے ہو چکا تھا کہ حقوق والدین اولاد پر مستقدر ہیں۔ اور یہ کہ ماں کے ساتھ بچے کو کیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔ **ششم** یہ بھی طے شدہ مسئلہ آپ کے ذہن میں تھا کہ تجبر اور شقاوت مذموم اخلاق ذمیمہ میں سے ہیں جن سے انسان کو حذر کرنا چاہیے۔ **ہفتم** مسئلہ سزا و جزا اور مسئلہ موت و برزخ۔ اور مسئلہ معاد بھی آپکے نزدیک بالکل بدیہیات اولیہ سے تھا۔ جس میں آپ کو ذرا بھی غور و خوض نہ کرنا پڑتا۔ اور بیان توحید باری اور عدل کے ساتھ

اسے بھی بیان فرمایا۔ ہشتم یہ بھی آپکے نزدیک بالکل مستفرغ عنہ تھا کہ انسان کو اپنے معبود کے ساتھ کیا معاملہ رکھنی چاہیئے اور یہ کہ نماز عمدۂ ارکان عبادات ہے کیونکہ اس میں تمام اقسام عبادات اور انواع معاملات بین العبد والمعبود بوجہ اکمل اور بطریق اتم موجود ہیں۔ نہم یہ اخلاقی مسئلہ بھی حل ہو چکا تھا کہ انسان کو بعد اسکے کہ اپنے معبود سے معاملۂ صحیحہ کا برتاؤ کر چکے اپنے بنی نوع کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ اور انکی ہمدردی کسقدر واجب ہے۔ جسپر آپ کا کلام والزکوٰۃ دال ہے کیونکہ زکوٰۃ منجملہ ان مہمات حقوق ناس کے ہے جسپر بیشتر اصلاح حال فقراء و محتاجین کا دارومدار ہے۔ دہم مسئلۂ برکت و نحوست کہ ایک ان میں سے نیک اعمالی کا نتیجہ ہے اور دوسرا بداعمالی کا خوب منحل ہو چکا تھا اور یہ سمجھ چکے تھے کہ آپ کو آیندہ زندگی میں کس طرح کا آدمی ہو کر رہنا چاہیئے۔ جسپر آپ کا کلام وجعلنی مبارکاً اینما کنت دلالت کرتا ہے۔

دوسرے جناب یحیےٰ بن زکریا ہیں جنکی بابت پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے یٰیحییٰ خذ الکتاب بقوۃ و اٰتینٰہ الحکم صبیا۔ یہ کلام صاف بتا رہا ہے کہ جناب یحیےٰ کو حکمت و حکومت عامۂ خلق صبا یعنی بچپن ہی میں دی گئی تھی۔ اور انکے قوائے دماغیہ ادراکیہ اور روحانیۂ قدسیہ اس مرتبہ پر تھے کہ انتظام تمدن اور انتظام نفس دونوں ایک وقت میں کر سکتے تھے۔ کیونکہ حکومت عامۂ خلق اُسی کو دینا عقلاً ممدوح ہے جو اُسکا انتظام کر سکے ورنہ ایک لایعقل کو بادشاہی دینا اور تفویض امور ملک و رعایا کرنا نہایت درجہ کی بیعقلی ہے جو شان پروردگار عالم سے بعید ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قوائے دماغیہ کی صحت موقوف ہے مزاج انسانی کی صحت پر جسقدر انسان صحیح المزاج ہوگا اور جسقدر لطافت ترکیب اس میں ہوگی اُسی قدر اُسکا دماغ صحیح۔ فکر درست اور رائے صائب ہوگی۔ اور جسقدر قوائے ترکیبیہ اور مزاج صحیح اور معتدل ہوگا اُسی قدر صحت جسمانی درست ہوگی اور جسقدر صحت جسمانی درست ہوگی اُسی قدر طول حیات بھی ہوگا چنانچہ عیسےٰ علیہ السلام اب تک زندہ ہیں جسپر پروردگار عالم کا یہ قول دال ہے کہ ما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم اور یہ کہ ما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ۔ رہے جناب یحیےٰ سو اگر

انکو بادشاہ جابر نہ قتل کر دیتا تو وہ بھی بقاعدہ فطرت اُتنے ہی دنوں زندہ رہ سکتے تھے بلکہ بلا وجہ جیلولہ قتل و ظلم نے اُس قانون الٰہی کو نافذ ہونے سے روک دیا۔

تیسرے امام حسن علیہ السلام ہیں جنکی نسبت محمد بن اسحاق نے روایت کی ہے کہ ایکمرتبہ ابو سفیان خدمت جناب علی بن ابیطالب علیہ السلام میں حاضر ہوا اور اپنی سفارش چاہی اس وقت جناب حسن علیہ السلام کا سن شریف صرف چودہ مہینے کا تھا۔ جناب سیدہ بھی وہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ امام حسن علیہ السلام زمین پر کھیل رہے تھے۔ ابو سفیان نے عرض کی یا بنت محمد قولی لھذا الطفل یکلم لی جدہ اے فاطمہ بنت محمد تم اس بچے سے کہو کہ تیرے معاملہ میں کچھ رسول اللہ سے سفارش کر دے۔ گویا منشا یہ تھا کہ آپ اس بچے کے طفیل میں میری سفارش کر دیں۔ امام حسن علیہ السلام ابو سفیان کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک ہاتھ اسکی ناک پر رکھا اور ایک اُسکی ڈاڑھی پر اور فرمایا یا ابا سفیان قل لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ حتیٰ اکون شفیعا اے ابو سفیان شہادتین کا اقرار کر تو میں تیری سفارش رسول اللہ سے کر دوں۔ یہ کلام سنکر امیر المومنین علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ الحمد للہ خدا نے محمد مصطفٰے کی ذریت میں ایسے بچے پیدا کئے ہیں جو یحیےٰ بن زکریا کی نظیر ہیں۔ خدا فرماتا ہے واتیناہ الحکم صبیا۔ مناقب صفحہ ۷۶ جلد چہارم۔

اسکے علاوہ ایک روایت امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں نقل کی ہے جسکی عبارت یہ ہے ان النبی اعترض الحسن ایام رضاعہ حین وضع بعض تمرات الصدقۃ فی فیہ بقولہ کخ کخ اما تعلم ان الصدقۃ علینا حرام یعنی رسول اللہ نے امام حسن پر اعتراض کیا جبکہ اُنہوں نے کوئی خرمہ صدقہ کا اپنے منہ میں رکھ لیا تھا۔ اور فرمایا کہ اُگل دے اُگل دے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ صدقہ ہم اہلبیت پر حرام ہے۔

چونکہ اسپر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ نے صغر سنی میں یہ کلام علمی ایک بچے سے کیونکر کیا جو مسائل فقہیہ کو بالکل نہ سمجھ سکتا تھا۔ لہذا بطور دفع دخل ابن حجر عسقلانی نے یہ فرمایا ہے در شرح حدیث مذکور میں ان الحسن حالہ غیر حال غیرہ لان الحسن فی تلک الحال کان یطالع اللوح المحفوظ امام حسن کا حال مثل اور بچوں کے نہ تھا بلکہ آپ اُسی

سن میں لوح محفوظ کی تلاوت کرتے تھے۔

یہ کلام بتا رہا ہے کہ جناب امام حسن علیہ السلام کے قوائے ادراکیہ دماغیہ اس قدر صحیح تھے کہ آپ ایام رضاعت ہی میں مسائل علمیہ فقہیہ سمجھ سکتے تھے بلکہ لوح محفوظ کی بھی تلاوت فرماتی تھی۔ سبحان اللہ کس قدر اعتدال مزاجی ان حضرات کو حاصل تھا جس سے مافوق تصور سے باہر ہے۔

نیز ابو السعادات نے اپنی کتاب الفضائل میں لکھا ہے کہ ان الحسن بن علی کان یحضر مجلس رسول اللہ وھو ابن سبع سنین فیسمع الوحی فیحفظہ فیاتی امہ فیلقی الیھا ما حفظہ یعنی حسن بن علی علیہ السلام مجلس رسول اللہ میں آتے جبکہ آپ کا سن سات برس کا تھا تو وحی الٰہی کو سنتے اور اُسے یاد کر لیتے۔ جب اپنی ماں (جناب فاطمہ زہرا) کے پاس آتے تو جس قدر یاد کیا ہوتا اُسے بیان کر دیتے۔"

نیز صفوان جمال سے مروی ہے کہ ایک روز جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جبکہ آپ صغیر السن تھے ایک بچہ بزغالہ کا ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے اور اُس سے فرماتے تھے کہ اسجدی لربک تو اپنے رب کو سجدہ کر۔ جناب صادق علیہ السلام نے جو دیکھا تو فرمایا "بابی وامی من لا یلھو ولا یعلب" میرے ماں باپ فدا ہوں اُس پر جو کھیل کود میں مصروف نہیں ہوتا (اور باوجود صغر سنی کے یاد خدا میں مشغول ہے)۔

یہ واقعہ بھی بتاتا ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس وقت میں جبکہ بکری کے بچے سے کھیلتے تھے اسقدر صحیح الفکر اور قوی الادراک تھے کہ معرفت پروردگار عالم بحد کمال حاصل ہو چکی تھی اور معنی ربوبیت و مربوبیت اور معنی سجدہ و مسجودیت کو درست طور سے سمجھ چکے تھے۔ اور یہی دلیل ہے صحت ترکیب اور اعتدال مزاج کی جس کا لازمہ طول حیات ہے مگر جبکہ ایک مسلمان بادشاہ زہر دیکر مار ڈالے تو اسکا کیا علاج ہے۔

علیٰ ہذا القیاس امام محمد تقی علیہ السلام کا وہ واقعہ جو آپکی عمر کے پچیسویں مہینے میں رونما ہوا جبکہ اہل قیافہ نے آپ کے فرزند امام رضا علیہ السلام ہونے میں تردد کیا ہے شاہد عادل ہے میرے اس دعوے کا کہ آپ نے اسی عمر میں ایک خطبہ بزبان فصیح پڑھا ہے اور فرمایا ہے الحمد للہ الذی خلقنا من نورہ واصطفانا من بریتہ وجعلنا امناء علی خلقہ ووجبہ معاشر

النّاس نا محمد بن علی الرّضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر بن الصّادق بن محمّد الباقر
بن علی سیّد السّاجدین بن الحسین الشّہید بن امیر المومنین علی بن
ابیطالب وابن فاطمۃ الزّہراء وابن محمّد المصطفیٰ علیہم السّلام اجمعین فی
مثلی یشکّ وعلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ وعلیٰ جدّی یفتری واعرض علی القافۃ
انّی واللّٰہ لا علم ما فی سرائرہم وخواطرہم وانّی واللّٰہ لا علم النّاس اجمعین
ماھم الیہ صائرون اقول حقًّا واظہر صدقًا قد نبّاہ اللّٰہ تبارک وتعالیٰ
قبل الخلق اجمعین وبعد بناء السّمٰوات والارضین وایم اللّٰہ لولا تظاھر
الباطل علینا وغوائل کرمۃ الکفر وتوثب اھل الشّرک والشّکّ والشقاق
علینا لقلت قولا یعجب منہ الاوّلون والآخرون پھر اپنے مُنہ پر آپ ہی ہاتھ
رکھ لیا ہے اور فرمایا ہے یا محمّد اصمت کما صمت آباؤک واصبر کما صبر اولو العزم
من الرّسل ولا تستعجل لھم کانّھم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ
من نھار بلاغ فھل یھلک الّا القوم الفاسقون ۞

اس کلام بلاغت انسجام اور تقریر فصاحت انضمام اور نثر معجز نظام اور بیان معرفت انتظام کو پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایسا کلام تو بعد سن شعور کے بھی آدمی سے ادا ہونا دشوار ہے چہ جائیکہ دو برس ایک مہینہ کے سن میں مگر یہ وہی اعتدال قوی اور حسن ترکیب اور صلاح مزاج اسکا سبب ہے جسکا بیان سابق میں بقاعدہ عقلیہ طبیہ وبرہان یقینیہ فلسفیہ کیا گیا۔

بالجملہ یہ بات بالکل قابل استبعاد نہیں ہے لیکن اُسی کے نزدیک جسکا دماغ صحیح معانی فلسفیہ اور نکات حکمیہ کے سمجھنے کے لئے نہیں وضع کیا گیا ہے۔ ورنہ عاقل آدمی ادنےٰ غور کے بعد اس نکتہ لطیفہ کو سمجھکر اپنا اطمینان کر سکتا ہے۔

علاوہ اسکے اور بھی بہت سی دلیلیں طول حیات جناب حجۃ اللّٰہ فی الارض پر ہیں جنکا احصا اس مختصر رسالے میں دشوار ہے لیکن میں اس موقع پر صرف چند مختصر دلیلیں بغرض زیادتی استبصار ناظرین گزارش کرتا ہوں جنکے بعد یقین ہے کہ اگر مخالفین حضرات اپنے استبعاد سے

تھوڑی دیر چشم پوشی کرکے غور فرمائیں گے تو شیعوں ہی کے ہمخیال اور ہمزبان ہوجائیں گے۔ لیجئے آپ اب دوسری دلیل بیان ہوتی ہے۔ **دوسری** دلیل حضرت کے وجود بالفعل اور طول عمری یہ بھی ہے کہ پروردگار عالم نے جب ذوی العقول کو پیدا کیا خصوصًا بنی آدم کو تو انکے لئے ایک خاص قانون یہ بھی پاس کردیا کہ انکے ہمراہ ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے **دو ہادی** اور **دو مضل** ضرور ضرور رہیں جن میں سے دو تو مخفی ہیں اور دو ظاہر۔ دو خارج جسم والے ہیں اور دو باطن جسم والے۔

اس قانون کا تخلف سات ہزار برس تک کسی وقت اور کسی موقع پر نہیں ہوا جس سے معلوم ہوا کہ انسانی نیچر یہی ہے کہ جب وہ پیدا ہو تو اُسکے ساتھ ساتھ دو بہکانے والے ہیں اور دو ہدایت کرنے والے۔ دو راہنما ہیں اور دو بھٹکانے والے۔ تاکہ غرض خلقت انسانی پوری ہو اور قول پروردگار احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون کی کامل تصدیق ہوجائے۔ **مضل داخلی** تو نفس امارہ ہے اور **مضل خارجی** ابلیس **ہادی ظاہری** رسول ہے اور **ہادی باطنی** عقل ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام تک برابر ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ ایک رسول یا نائب رسول ضرور خارج میں ہادی اور ہر شخص کے ساتھ اُسکی عقل بھی۔ اُسی طرح ہر زمانے میں ابلیس بھی گمراہ کرنے والا رہا ہے اور اُسکے ساتھ ہر ایک کے باطن جسم میں نفس امارہ بھی۔

تو جبکہ ہر دور میں دو مضل اور دو ہادی کا رہنا ضروری ہوا۔ اور فطرت انسانیہ اسکا حکم کرتی ہے تو کیا وجہ کہ یہ قانون کسی وقت میں بلا کسی ضرورت اور داعی کے ٹوٹ جائے اور صرف ایک ہی مضل یا داعی ہادی پر اکتفا ہو؟

کیا وجہ کہ رسول اللہؐ سے پہلے پہلے یہ قانون الٰہی بین الناس عمومًا نافذ ہو اور اُنکے بعد آیندہ زمانہ میں اسکا اثر بالکل نہ رہے؟ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی!! کیونکہ یہ بات قانون عدالت کے بالکل مخالف ہی کہ انسانوں کے ساتھ بہکانیوالے تو دو رہیں مگر ہدایت کرنیوالا ایک ہی رہے۔ ابلیس اور نفس امارہ دونوں بہکانے والے آج بھی موجود ہیں اور ہر شخص اُسی تعلیم کرنیکے لیے بخوشی تیار ہے لیکن ہادی کے بارے میں یہ کوتاہی کہ اُسکے ماننے میں

ہزاروں پس وپیش سے کام لیا جاتا ہے۔

یہ پس وپیش محض بیعقلی پر مبنی ہے۔ یعنی قانون قدرت کے نہ تسلیم کرنے پر۔ لہذا عقلاً یہی لازم ہے کہ ہر دور میں جسطرح دو مضل ہیں اُسی طرح دو ہادی بھی نیچر کے حکم سے اور خالق نیچر کی تشخیص و تعیین سے موجود ہیں۔

یہ بات اُسی وقت پوری ہو سکتی ہے جبکہ رسول اللہ کے بعد بھی یہ سلسلہ قائم رہتا ہوا مانا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ہم جناب حجۃ العصر علیہ السلام کی بقا کو تسلیم نہ کریں تو یہ سلسلہ بالکل منقطع ہو جاتا ہے اس لئے کہ دنیا کا کوئی مذہب کسی ایسے شخص کے پیش کرنے سے قاصر ہے جس میں ہادی حقیقی الہٰی کے اوصاف پائے جاتے ہوں سوائے شیعہ فرقے کے کہ وہ ایک ایسے انسان کو پیش کر سکتا ہے جو بوجہ صفت موصوف او منصب ہدایت دینیہ کے لئے کافی ہے اور وہ حضرت حجۃ العصر علیہ السلام ہیں لہذا جناب مہدی آخر الزمان حجۃ العصر و امام منتظر کا وجود بعد جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے اس زمانہ تک تسلیم کرنا لازم ہوا وہو المطلوب۔ کیونکہ ہادی سے مراد عام ریفارمر نہیں ہیں جن سے غلطی خطا اور معاصی کا ظہور ہو سکے اور جسکی وجہ سے وہ اور اُنکا کلام عام انسانوں کے لئے حجت نہ ہو سکے۔ بلکہ وہ ہادی ایسا ہونا چاہیے جس طرح کے ہادی جناب رسول خدا تک ہوتے آئے ہیں۔ یعنی معصوم عن الذنب اور یہ بات سوائے اہلبیت عصمت و طہارت کے اور کسی میں ہونی یقینی تو کیا بلکہ ظنی طور پر بھی معلوم نہیں۔ البتہ اہلبیت رسول صلے اللہ علیہ و علیہم ضرور ایسے ہیں جنکی عصمت متیقن ہے۔ لما نزل فیہم آیۃ التطہیر و دلت علی کونہم معصومین عن سائر المناکیر۔ **تیسری دلیل اصلاح نظام تمدن** ہے یہ تو تمام دنیا کے عقلا نے تسلیم کر لیا ہے کہ آدمیوں کے با آسائش بسر بردگی واسطے ایک سائنس کی ضرورت اور بہت بڑی ضرورت ہے۔ یعنی ایک ایسا شخص آدمیوں کے درمیان انکے نظام تمدن کو درست رکھنے والا ہونا چاہیئے۔ جو ہر موقع کی خرابیوں کو دفع کر کے انکے درمیان اصلاح کو قائم اور نزاع و فساد کو دور کرتا رہے۔ اور انکے باہمی جور و ظلم کو روکتا رہے کیونکہ یہ لازمی بات ہے کہ انسان فطرۃً مادہ حرص و ہوس سے خالی نہ ہو۔

جس طرح مادہ صبر و قناعت سے عادۃً خالی ہونا ناممکن ہے۔ جس طرح اس میں قوت ملکیہ ودیعت کی گئی ہے اسی طرح قوت شہویہ اور غضبیہ بھی۔ تو ممکن نہیں کہ ہر شخص قناعت و صبر و رضا اور تواضع و حلم ہی کے ساتھ بسر کرے بلکہ بہت ایسے ہونگے جن میں قوت ہوس و حرص۔ بغض و حسد۔ طمع اور خود مطلبی اور جدال و فساد وغیرہ بھی بہت زیادتی کے ساتھ پایا جاتا ہوگا۔ اور چونکہ آدمیوں کا کوئی کام۔ بغیر میل جول اور لین دین اور باہمی معاملات کے انجام نہیں پا سکتا تو ضرور ہے کہ ایسی زندگی کی ضروریات اور معاملات میں ہر شخص اپنے نفع کا خیال رکھے اور اکثر ایسا ہوگا بلکہ ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے کو بلکہ اپنے نفع کے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو ضرور ہے کہ ایک شخص انمیں ایسا ہو جو انکو ٹھیک راہ پر عدالت کی لے چلے کسی کو کسی پر ظلم نہ کرنے دے۔ کسی کو کسی پر مسلط نہونے دے۔ تاکہ کوئی شخص کسی کو بے وجہ قتل نہ کرے۔ کسی کا مال کوئی شخص ناحق طور پر خورد برد نہ کرے۔ جسکی وجہ سے حفظ نفس۔ حفظ مال۔ حفظ آبرو عموم ناس کا ہوتا رہے جسکی قابلیت پر ہر شخص کو اعتماد ہو جسکی عدالت ہر ایک کے نزدیک مسلم ہو جسکی صداقت کا سکہ ہر ایک کے دل پر بیٹھا ہوا ہو جسکی عقل و فہم کو ہر ایک نے تسلیم کر لیا ہو جس سے ناحق طرفداری کا خوف کسی کو نہو جسکی کوئی بات قابل تنقید نہو۔ بلکہ وہ خود سب کا منتقد ہو۔ اور جسکے فیصلہ کے ماننے میں کسی کو عذر نہو سکے۔

ایسا شخص ہر زمانہ میں ہونا چاہیے اور عقل اسپر حاکم ہے۔ اور ہر زمانہ اسکا مقتضی رہا ہے اسی بنیاد پر اول خلقت بنی آدم سے حضرت خاتم تک ایک نہ ایک شخص ان تمام اوصاف کا جامع موجود رہا ہے۔ جس سے نظام تمدن انسانی کا درست ہو سکے عام اس سے کہ خود وہ لوگ جنکی اصلاح کے واسطے ایسے اشخاص معین ہوئے تھے انکے ارشادات پر عمل پیرا ہوئے یا نہ ہوئے کیونکہ دوا کے موجود ہونے سے یہ لازم نہیں کہ بیمار شخص اُسے پی بھی لے۔ بلکہ بسا ایسا ہوتا ہے کہ اُسے بد مزہ خیال کر کے دور ہی سے نفرت ظاہر کرتا ہے اور بجائے اپنے صحیح ہوجانے کے بیمار رہنے کو اپنے سوء اختیار اور بیعقلی سے ترجیح دیتا ہے۔ اسی طرح اکثر ہادیان دین کو لوگوں نے نہیں مانا ہے اور انکے اقوال و افعال کا اتباع نہیں کیا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا

کہ اُن بزرگواروں کا ہادی ہونا باقی نہ رہے۔ ہادی بہر صورت ہادی رہیگا عام اس سے کہ کوئی اُسے مانے یا نہ مانے جس طرح دوا دوا رہیگی عام اس سے کہ کوئی اُسے پیئے یا نہ پیئے۔

یہ امر یعنی ہادی کا مقرر ہونا از خود نہ تھا بلکہ پروردگار عالم کی طرف سے تھا کیونکہ ایسے اشخاص کا تقرر اُسی کے ذمہ پر لازم تھا اور بغرض اصلاح تمدن اُسی کا فرض تھا جس طرح بیمار کے لئے دوا کا پیدا کرنا اُسی کے ذمہ پر لازم تھا۔ نہ بیمار پر۔

یہاں سے وہ خیال بھی غلط ثابت ہوا جاتا ہے جو درباب خلافت کے ظاہر کیا گیا ہے کہ تعیین خلیفہ بذمہ امت ہے نہ بذمہ پروردگار عالم! اس لئے کہ امت کا حال ٹھیک مثل مریض کے ہے۔ پس جس طرح اسکے لئے دوا کا خلق فرمانا اور اسکے آثار کا بتا دینا فرض پروردگار عالم ہے اُسی طرح تعیین خلیفہ فرض خدا تعالیٰ عزّ ذکرہ ہے نہ فرض امت مرحومہ۔

خلاصہ یہ کہ جب آدم سے خاتم تک ایسے اشخاص ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ خاتم کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جائے حالانکہ ضرورت اب بھی موجود ہے جسطرح اُس وقت تھی اور انسان شریر النفس اور موذی اب بھی موجود ہیں جیسے اُس وقت تھے۔ اور ظلم وجور اب بھی ہوتا ہے جیسا کہ پہلے ہوتا تھا۔ اور حرص وہوس اور خود غرضیوں کا بازار ویسا ہی گرم ہے جس طرح اس سے قبل تھا۔

لہذا لازم ہوا کہ اس دور میں بھی بعد رسول اللہؐ ایسا شخص موجود ہو جس میں اوصاف مذکورہ بالا پائے جاتے ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا کوئی شخص سوائے اہلبیتؑ رسولؐ کے نہیں مل سکتا۔ لہذا اُن ہی میں سے کوئی شخص ہونا چاہیئے۔ اور نہیں ہے وہ مگر حضرت حجت قائم ومنتظر ومہدی موعود علیہ السلام لہذا اُن کو اس وقت تک اور اسکے مابعد تک بھی عقلاً زندہ رہنا لازم ہے اسلئے کہ تمام گروہ اسلام نے تسلیم کر لیا ہے کہ اگر کوئی شخص بعد رسول اللہ کے یقیناً معصوم ہو سکتا ہے تو وہ صرف انکے اہلبیتؑ ہیں جنکی معصومیت پر آیۂ تطہیر نے گواہی دی ہے۔ نہ کوئی اور۔ اور معلوم ہے کہ بموجب فرمودۂ رسولؐ گیارہ معصوم رسولؐ کے بعد گزر چکے صرف یہی ایک معصوم باقی رہتا ہے جسکو اس دلیل کی رو سے باقی وقائم رہنا اور اس وقت بھی زندہ ہونا عقلاً لازم وواجب ہے۔ **چوتھی دلیل** قانون عدالت ہے۔ یعنی چونکہ

یقینی بات ہے کہ پروردگار عالم عادل ہے جیساکہ وہ خود اپنی توصیف میں فرماتا ہے قَائِمًا بِالْقِسْطِ یعنی وہ عدل کا قائم کرنیوالا ہے نیز فرمایا ہے "اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ" بیشک خدا تعالےٰ علاوہ اسکے دلائل عقلیہ کلامیہ نے بھی اُسکی عدالت کو ثابت کر دیا ہے اور یہاں اپنے مفصل بیان ہونے سے مستغنی عنہ ہے تو ضرور ہے کہ وہ دوسروں کے ظلم کو بھی نہ پسند کرے چنانچہ قرآن مجید اس مضمون سے مملو ہے۔ کہ وہ ظالموں سے ناراض ہے ظالموں پر لعنت کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اور معلوم ہے کہ ظلم کے حقیقی معنی وضع الشئی فی غیر محلہٖ ہے یعنی جس شے کے لئے جو جگہ وضع کی گئی ہے اُسکے خلاف میں اُسکو رکھنا ظلم ہے۔ اس میں تمام اعمال۔ افعال اور اقوال داخل ہیں۔ اپنی حد وضعی سے ہٹاکر جو کام کیا جائیگا وہ ظلم کے افراد میں داخل ہوگا اور عقلاً و شرعاً ہر طرح قابل مذمت ٹھیریگا۔

اسی طرح عدل کے معنی ہیں حد وسط اختیار کرنا یعنی ہر شئے کی افراط و تفریط کو چھوڑکر درمیانی حد اختیار کرلینا۔ چلنا پھرنا۔ سونا جاگنا۔ لکھنا پڑھنا۔ کھانا پینا۔ بولنا چپ رہنا اٹھنا بیٹھنا۔ غرض جتنے کام ہیں اُن سب میں حد افراط و تفریط کو ترک کردینا اور درمیانی حد کو لے لینا عدالت اور عدل ہے۔

جہاں یقینی بات یہ ہے وہاں یہ بھی یقینی ہے کہ انسانوں میں ظالمین کی فردیں بیشمار ہیں۔ بلکہ بسبب بندۂ طمع و ہوس ہونے کے عموماً یہ صفت مذموم ہر انسان میں پائی جاتی ہے تو ضرور ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہر زمانہ میں کوئی شخص دنیا میں ایسا موجود رہنا چاہیئے جو قانون عدل کا اجرا کرنے والا ہو اور خود اس میں کسی طرح شائبۂ ظلم نہو۔ ورنہ کوئی شخص اُسکا کہنا کیوں مانیگا۔ ایسا شخص وہی ہوسکتا ہے جو معصوم ہو اور معصوم بعد رسول اللہؐ منحصر ہے اہلبیت رسالت میں پس اس وقت بھی یقیناً اہلبیت رسالت میں سے کوئی معصوم ضرور موجود ہے اور وہ سوائے محمد مہدی آخر الزمان علیہ سلام الملک المنان کے کوئی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جن افراد میں دعویٰ عصمت کیا جاسکتا ہے وہ صرف بارہ ہیں جو عدالت بین الناس کے کام کو بطور اکمل پورا کرسکتے ہیں۔ گیارہ تو یقیناً فوت ہوچکے

صرف بارھویں فرد کی موت کا ثبوت ابتک نہیں ملا۔ اور حیات ابتدائی کا اقرار سب کو ہے۔ پس جب تک موت قطعی کی کوئی دلیل نہ پیش ہو تب تک کوئی وجہ نہیں کہ اُنکی زندگی کے ختم ہو جانے کا حکم لگا دیا جائے۔ اور اُسے کوئی عاقل تسلیم بھی کرلے اسلئے کہ دعوائے بے دلیل قبول خرد نہیں لہذا حضرت حجّت کو ابتک زندہ نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں

پانچویں دلیل - ایک عقلی مسئلہ تمام عقلا کے نزدیک طے شدہ ہے کہ الیقین لا یزول الا بالیقین یقین کبھی زائل نہیں ہوتا مگر یقین سے۔ یعنی اگر کسی شے کے وجود یا عدم کا یقین بذریعہ کسی دلیل حسی یا نقلی کے ہو چکا ہو۔ تو جب تک ویسا ہی یقین اُسکے خلاف کا نہ ہو تب تک یقین اول زائل نہیں ہو سکتا اور نہ وہ شخص جسے ایسا یقین حاصل ہو چکا ہے یہ حق رکھتا ہے کہ اپنے یقین سابق کے برخلاف کوئی حکم لگائے۔

اب چونکہ ہمکو بذریعہ کتب سیر و تواریخ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہے اور خبر ولادت جناب امام قائم منتظر بتواتر پہنچ چکی ہے تو ہمارا یہ یقین کہ آپ زندہ ہیں کبھی زائل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کوئی ثبوت قطعی آپ کی وفات کا نہ ملے خواہ ثبوت حسی ہو یا ثبوت عقلی ثبوت حسی تو آج تک بہم نہیں پہنچا کیونکہ تمام مورخین اور اہل سیر سنیہ نے لکھا ہے کہ غاب فلم یعرف خبرہ حضرت پانچ سال کی عمر میں غائب ہوئے پھر کوئی خبر آپکے متعلق نہ معلوم ہوئی۔ اور جب کوئی خبر نہ معلوم ہوئی تو موت کی خبر کہاں سے معلوم ہوتی رہا ثبوت عقلی تو اُسکا حال بھی سابقاً معلوم ہو چکا کہ حیات انسان کامل کا کوئی خاص وقت معین نہیں۔ ممکن ہے کہ دو ہزار برس تک زندہ رہے۔ ممکن ہے چار ہزار برس تک زندہ رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پچاس ہزار برس تک زندہ رہے۔ لہذا جناب قائم حجت کے اب تک زندہ نہ ماننے کی کوئی وجہ عقلی یا حسی نہیں۔ اور نہ یقین سابق کے ٹوٹنے پر کوئی دلیل۔

دوسرا مقصد اگرچہ عقلی دلائل بہت سی ہیں جن کے لکھنے میں طول عمل کا خوف ہے لہذا ہم اُن کو سردست ملتوی کرتے ہیں اور بضرورت مقام چند دلائل نقلیہ ایسی وارد کرتے ہیں جن سے ہماری دلائل عقلیہ کی تائید بھی ہو اور خصم کو بھی اطمینان کامل

حاصل کرنے کا موقع ملے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مخالفین کا انکار وجود حضرت حجۃ العصر علیہ السلام سے بالکل بے وجہ اور محض بر بنائے معاندت ہے ورنہ اُنکے پاس بھی کوئی ایسی سند موجود نہیں جو انکار کی موید ہو سکے۔ بلکہ برخلاف اسکے خود اُن کے ہاتھوں میں ایسی دلیلیں موجود ہیں کہ اگر وہ اپنی صادق ضمیر سے کام لیں تو انہیں یقین وجود حضرت حجۃ العصر دلا دینے کے لئے کافی و وافی ہیں۔

شیعوں کے پاس اپنے گھر کی تو پانچسو سے بھی زیادہ دلیلیں نقلی موجود ہیں جن پر اُنہیں یقین کامل حاصل ہے اور جن کی رو سے وہ حضرت حجۃ العصر کو زندہ و موجود اور امام وقت تسلیم کر رہے ہیں۔ لیکن ان کا کبھی یہ وتیرہ نہیں رہا کہ بمقابلہ خصم کے صرف اپنی مانی ہوئی دلیلوں کو پیش کریں۔ بلکہ ہمیشہ اسی مرد مقابل کی مسلمات کو اُس پر وارد کرتے ہیں۔ اور ایسے ہی مسلمات سے اُسکو خاموش کر دیتے ہیں لہذا ہم بھی اس موقع پر صرف عامۂ مسلمین کے مسلمات کو پیش کرینگے لیکن سب نہیں بلکہ صرف چند تاکہ طول تقریر و تحریر سے ناظرین نہ گھبرائیں۔

پہلی دلیل۔ خدا تعالےٰ کا یہ ارشاد قرآن مجید کے سورۂ توبہ کے پندرھویں رکوع میں موجود ہے (پ ۱۱ ع ۱۵) "یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین" اے ایمان والو خدا سے ڈرو متقی ہو۔ اور صادقین کے ساتھ رہو۔ یعنی اُن کے ارشاد کے بموجب رفتار کرو۔" یہ ہے حاصل آیت اور اثبات مدعی کی صورت اس آیت سے یہ ہے کہ پروردگار عالم اس آیت میں تمام مومنین کو مخاطب کرتا ہے خواہ موجود ہوں یا غائب خواہ عہد رسول اللہ کے لوگ ہوں یا وہ جو حضرت کے بعد وجود میں آنے والے ہیں جس پر چند دلیلیں ہیں۔ **اوّل** یہ کہ مسلمات فرقۂ اسلام سے ہے کہ جس قدر تکالیف شرعیہ قرآن میں مذکور ہیں ان کا تعلق تمام اُن مکلفین سے ہے جو قیامت تک ہونگے خواہ وہ تکلیف شرعی امر کی صورت میں ہو یا نہی کی۔ مثلاً اگر نماز کا حکم قرآن مجید میں آیا ہے تو یہ حکم تمام انسانوں سے متعلق ہے جو صاحب فہم و قوت ہوں خواہ وہ موجود ہوں

اس وقت یا آئندہ پیدا ہونگے۔ یا مثلاً غیبت یا سرقہ یا جھوٹ یا زنا سے منع کیا گیا ہے تو یہ منع ہر ایک عاقل مکلف سے متعلق ہے خواہ وہ عہد رسول اللہ کا آدمی ہو یا اُس کے بعد اُسکا وجود ہوا ہو اور جبکہ عموماً ہر تکلیف قرآنی کا یہی حال ہے اور ہر خطابات قرآن جو تکلیفی حیثیت سے ہیں عامۂ مکلفین سے متعلق ہیں تو اس کتاب یعنی یا ایھا الذین اٰمنوا کو بھی قیامت تک کے آدمیوں سے متعلق ہونا چاہیئے اور جو حکم ان مومنین کو دیا گیا ہے یعنی صادقین کے ساتھ رہنے اور اُن کے اتباع کا اُسے بھی عام ہونا چاہیئے۔ **دوم** یہ کہ خطاب یا ایھا الذین اٰمنوا میں کوئی وقت خاص نہیں بتایا گیا ہے لہذا عام اوقات زمانہ مراد ہونے چاہیئیں۔ جو قیامت تک کے زمانے کو شامل ہیں۔ **سوم** یہ کہ الذین اٰمنوا میں کوئی حد مومنین کی بھی نہیں بیان کی گئی ہے کہ فلاں فلاں شخص مخاطب ہیں اور اُن کے علاوہ اس خطاب سے خارج ہیں۔ لہذا جہاں تک اور جب تک بھی ایمان قائم ہے اور مومنین کا وجود ہے تب تک کے کل مومنین اس خطاب میں شریک رہیں گے۔ **چہارم** یہ کہ خطاب انہی لوگوں سے کیا گیا ہے جن میں خود ذاتی لیاقت اپنی اصلاح کی نہیں بلکہ وہ دوسروں کے محتاج ہیں۔ اور ایسے اشخاص کا وجود ہر زمانے میں ہونا یقینی ہے۔ لہذا ہر زمانے کے ایسے لوگ اس خطاب کے تحت میں مندرج ہونگے۔ **بہر حال** یہ آیہ عام ہے۔ اور مخاطب اس میں تمام اہل ایمان ہیں خواہ آج موجود ہوں یا قیامت تک ہوتے رہیں۔ اور جب ایسا ہے تو سب کو یہ حکم ہے کہ تم لوگ صادقین کی پیروی کرو اور اُن کے ساتھ رہو۔ اور ظاہر ہے کہ صادق سے مراد یہاں عام سچ بولنے والا نہیں ہے۔ ورنہ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہ نکلیگا جو بالکل جھوٹ ہی بولتا ہو۔ بلکہ مراد اس سے وہ صادق ہے جس سے کوئی جھوٹ کسی وقت میں سرزد نہو سکے۔ نیز چونکہ اس آیت میں مومنین کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اور مومن وہی ہے جو سچا ہو تو پھر اگر اُسے ایسے آدمی کے ہی اتباع کا حکم دیا جائے جو مثل اُس کے سچائی میں ہو تو

ترجیح بلا مرجح ہوگی اور عقلاً یہ بات مذموم لہذا ضرور ہوا کہ وہ شخص اور وہ لوگ اس لفظ صادقین سے مراد ہوں جو ان تمام مومنین سے افضل ہوں تاکہ ہر مومن اسکی پیروی کرسکے اور معلوم ہے کہ مومنین سے افضل وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو معصومین ہوں۔ علاوہ اس کے چونکہ اس آیت میں خدا تعالے حکم دینے والا ہے اور محکوم مومنین تو ممکن نہیں کہ وہ ایسے لوگوں کی پیروی کا حکم دے جن سے خطا کا صدور ممکن ہے ورنہ اغرا بالجہل لازم آئیگا جو عقلاً مذموم ہے اور پروردگار عالم سے تو اغراء بالجہل اور اغراء بالقبیح کا صدور بھی ممکن نہیں۔ لہذا ماننا پڑیگا کہ اس آیت میں جن لوگوں کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے وہ معصوم ہیں۔ اسی مطلب کو امام فخر الدین رازی نے بھی اپنی تفسیر میں تسلیم کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان قولہ یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ امرلھم بالتقوی وھذا الامر انما یتناول من یصح منہ ان لا یکون متقیا وانما یکون کذالک لو کان جائز الخطا فکانت الآیۃ دالۃ علی ان من کان جائز الخطا وجب کونہ مقتدیا بمن کان واجب العصمۃ وھم الذین حکم اللہ تع بکونھم صادقین۔ یعنی پروردگار عالم کا ارشاد کہ اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور صادقین کی پیروی کرو۔ حکم ہے اس بات کا کہ لوگ خدا سے ڈریں اور متقی بنیں اور یہ بات جب ہی ہوسکتی کہ مومنین جائز الخطا ہوں اور ان ہی کو یہ حکم شامل ہوسکتا ہے جو متقی نہوں۔ اور انکا متقی نہونا ممکن ہو (کیونکہ اگر وہ لوگ جائز الخطا خود نہوں تو انہیں کسی دوسرے کی پیروی کرنے کی کیا ضرورت ہے) لہذا اس آیت نے بتایا کہ جو لوگ جائز الخطا ہیں انکو واجب ہے کہ ایسے لوگوں کی پیروی کریں جو واجب العصمۃ ہوں۔ یعنی معصوم ہوں۔ یہ وہی معصوم ہیں جنکو پروردگار عالم نے اس آیت میں صادقین فرمایا ہے"۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "فھذا یدل علی انہ واجب علی جائز الخطا کونہ مع المعصوم عن الخطا حتی یکون المعصوم عن الخطا مانعاً لجائز الخطا عن الخطا وھذا المعنی قائم فی جمیع الازمان" یہ عبارت صاف لفظوں میں بتا رہی ہے کہ ہر اُس شخص کو جس سے خطا کا ہونا ممکن ہو واجب ہے کہ معصوم کی پیروی کرے تاکہ وہ شخص معصوم اُس جائز الخطا آدمی کو خطا

سے روک سکتا ہے۔ اور یہ بات ہر زمانے میں قائم ہے کیونکہ جائز الخطا اشخاص ہر زمانے میں موجود ہیں لہذا معصوم کو بھی ہر زمانے میں ہونا چاہیے۔

پس ثابت ہوا کہ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ ایک معصوم ہر زمانے میں موجود ہے لیکن ایسا معصوم جسکی عصمت کا یقین ہو سوائے اہلبیت رسول کے بعد رسول کوئی نہیں لہذا کوئی معصوم اسی طبقہ کا ہونا واجب ہے اور چونکہ جناب مہدی آخر الزمان کے سوا کسی معصوم کا وجود اس زمانے تک متیقن نہیں اس وجہ سے ماننا پڑیگا کہ آپ اس وقت بھی موجود ہیں ، وہو المطلوب۔

رہا امام فخرالدین رازی کا یہ فرمانا کہ نحن نعترف بانہ لابدّ من معصوم فی کلّ زمان الا انّ المعصوم ھو مجموع الامۃ (لاالشخص الواحد) یعنی ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک معصوم کا وجود ضروری ہے مگر یہ کہ معصوم مجموع امت ہے نہ شخص واحد معین"۔ جس سے اُن کا مطلب یہ ہے کہ جناب صاحب العصر علیہ السلام کے وجود سے انکار کریں اور بجائے حضرت کے مجموع امت کو معصوم بتائیں جسکے اتباع کا حکم آیت مذکور میں دیا گیا ہے۔ محض غلط ہے۔ اس وجہ سے کہ مجموع امت مجموعہ ہے اُن ہی افراد کا جن سے خطا کا صدور ممکن ہے اور وہ معصوم نہیں ہیں۔ پس جبکہ وہ افراد سب کے سب جائز الخطا ہوے تو مجموعہ اُنکا کیونکر معصوم ہوگا؟ ہرگز نہیں ہو سکتا اسلیئے کہ ناقص ناقص اور ناقص کا مجموعہ ہمیشہ ناقص ہوگا بلکہ ناقص اور کامل کا مجموعہ بھی ناقص ہی ہوگا جیسا کہ علوم عقلیہ طبعیہ نے ثابت کر دیا ہے۔ ہاں اگر اس مجموع امت کے لفظ سے اُن کا یہ مقصود ہے کہ درمیان تمام افراد امت کے ایک فرد وہ بھی ہے جو معصوم ہے یعنی جناب صاحب الزمان علیہ السلام لہذا یہ مجموعہ معصوم ہوگا یعنی مجموع امت کو غیر معصوم نہ کہہ سکینگے تو ایک حد تک درست ہے۔ لیکن اس سے اُن کا اصلی مطلب یعنی اجماع امت کا معصوم ہونا ثابت نہوگا۔ جسکو انہوں نے ان لفظوں میں لکھا ہے کہ فھذا یدل علیٰ ان اجماع الامۃ حجۃ اس لیے کہ علمائے اہلسنت کے نزدیک اجماع امت میں معصوم کا داخل ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ اگر دس بیس آدمی بھی کسی امر پر اتفاق کرلیں

تو اسے اجماع کہینگے جیسا کہ سقیفہ کی کارروائی میں واقع ہوا کہ باوجود مخالفت انصار اور تمام بنی ہاشم کے چند بازاری آدمیوں کے ایکا کرلینے کا نام اجماع رکھا گیا۔ حالانکہ ان میں کوئی بھی معصوم نہ تھا۔ اور کہا گیا کہ خلافت حضرت ابوبکر اجماع کے ذریعہ سے واقع ہوئی۔ تو جبکہ معصوم کا داخل ہونا اجماع میں شرط لازم نہیں ہے بلکہ غیر معصوم کے اتفاق کرلینے سے بھی اجماع قائم ہوسکتا ہے تو کس طرح وہ معصوم ہوا۔ درانحالیکہ اتفاق کرنے والوں کی ہر ہر فرد غیر معصوم ہے۔ جسکا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ مجموعہ بھی غیر معصوم ہوگا۔

علاوہ اسکے صادقین سے اجماع مراد لینے میں کئی غلطیاں اور خرابیاں لازم آتی ہیں۔

ایک یہ کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کونوا مع الصادقین" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محکوم للاتباع ذوی العقول ہیں کیونکہ واو نون یا یا نون سے سوائے ذوی العقول کے کوئی جمع نہیں بنائی جاتی ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اجماع ایک لفظ مفرد ہے اور غیر ذی ادراک بلکہ مصدر ہے۔ جس پر کسی طرح سے صادقین کا اطلاق لغۃً اور اصطلاحاً نہیں ہوسکتا۔ اگر فی الواقع یہاں اجماع ہی مراد ہوتا تو لازم تھا کہ پروردگار عالم کونوا مع الصّادق فرماتا نہ مع الصّادقین کیونکہ واحد پر جمع کا اطلاق حقیقۃً درست نہیں ہے۔ ہاں مجازاً ہوسکتا ہے لیکن مجاز کے واسطے قرینہ صارفہ عن الحقیقۃ کی ضرورت ہے جو یہاں معدوم ہے۔

دوسرے یہ کہ صادقین سے مراد مجموع امت اور اجماع امت لینے میں یہ بھی خرابی لازم آتی ہے کہ مقتدی اور مقتدےٰ دونوں ایک ہی ہوجائیں۔ کیونکہ یا ایھا الذین امنوا میں محکوم تمام امت محمدیہ ہے جو مشرف با یمان ہے۔ اور اُسی کو حکم بھی دیا جاتا ہے کہ تو تمام امت کے ساتھ رہ اور اُسکی اقتدا کر۔ تو لازم آتا ہے کہ ہر ہر شخص خود ہی مقتدی ہو اور خود ہی اپنا مقتدا بھی ہو۔ حالانکہ یہ محض مہمل بات ہے۔

تیسرے یہ کہ جملہ مذکورہ خود بتا رہا ہے کہ جن کو اقتدا کا حکم دیا گیا ہے وہ اور لوگ ہیں اور صادقین جن کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے وہ اور ہیں۔ پس اگر مجموع امت اس لفظ سے مراد ہو تو وہ غیریت جو اس آیت کا مفہوم ہے باطل ہوجائے اور عینیۃ

تابع و متبوع کی لازم آئے۔ حالانکہ آیت کا حکم اسکے خلاف ہے۔

چوتھے یہ کہ اجماع امت خواہ کتنے ہی آدمیوں کا اتفاق و اجماع ہو بغیر شرکت معصوم کے یقینی الصحۃ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عموماً ایسا دیکھا جاتا ہے کہ اتفاق کذائی غلط بھی ہوتا ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ جس بچاؤ کے لئے پروردگار عالم یہ حکم صادر فرماتا ہے یعنی خطاؤں سے امت کا بچنا اُسی میں پھر داخل کر دے اور حکم دے کہ تم ایسے اتفاق کی پیروی کرو جسکا غلط ہونا بھی ممکن ہے۔ اگر ایسا ہوگا تو گویا آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ اے مومنین تم لوگ ایسے کا اتباع کرو جو جائز الخطا ہے اور تمکو خطاؤں سے نہیں بچا سکتا۔ حالانکہ خود امام رازی نے اقرار کیا ہے کہ یہ حکم صرف اس لئے خدائے تعالےٰ نے دیا ہے کہ جائز الخطا لوگ غیر جائز الخطا کی پیروی کر کے خطا سے بچیں جیسا کہ سابقاً انکی تفسیر سے نقل کیا گیا۔

پانچویں یہ کہ وہ خود اقرار کر رہے ہیں کہ کسی شخص خاص معین کا دنیا میں معصوم ہونا معلوم نہیں ہے۔ اور جبکہ اُسکا علم نہیں تو اُسکے اقتدا کا حکم کیونکر ہو سکتا ہے۔" فرماتے ہیں "لکنا لا نعلم انسانا معینا موصوفا بوصف العصمۃ" اور جب ایسا ہے تو کسی اتفاق پر کب یقین ہو سکتا ہے کہ اس میں کسی معصوم کی شرکت ضرور ہے حالانکہ جب تک کسی معصوم کی شرکت کا یقین کسی اجماع و اتفاق میں نہو گا تب تک اُسکا یقینی الصحۃ ہونا ہرگز نہ ثابت ہوگا اور جب تک کوئی شے یقینی الصحۃ نہو حجت نہیں ہو سکتی لہذا کوئی اجماع بغیر یقین دخول معصوم کے حجت نہیں ہو سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ اُنکا یہ ارشاد کہ لامعنی لقولنا الاجماع حجۃ الا ذلک بالکل بے معنی اور غلط محض ہے۔

دوسری دلیل خدا تعالےٰ کا یہ ارشاد ہے (جزو ۲۔ رکوع ۱) "وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا" یہ کلام معجز نظام بھی وجود و بقا و طول حیات جناب حجۃ العصر کو ثابت کرتا ہے کیونکہ آیت مذکورہ صاف لفظوں میں بتا رہی ہے کہ ہمنے تم کو امت عادلہ بنایا ہے تاکہ تم گواہ ہو سکو تمام دیگر آدمیوں کے اور ہمارا رسول تم پر گواہ ہو۔

یہاں بھی جعلناکم کے مخاطبین وہی خاص آدمی ہیں جنکی عدالت خدا تعالےٰ کے نزدیک

محقق ہے۔ اور ایسے آدمی وہی ہو سکتے ہیں جو معصوم ہوں۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو ہمارے دعوے کا ثبوت اس آیت سے اس طرح ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ میں تین قسم کے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ **ایک** مخاطبین بلفظ جعلنا کم یعنی تمکو ہمنے امت عادلہ بنایا گواہی دینے کے لئے تمام آدمیوں پر۔ **دوسرے** الناس یعنی تمام آدمی جن پر گواہی دی جائیگی۔ **تیسرے** رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم جو گواہ قرار پائینگے امت عادلہ پر

۱ خلاصہ یہ کہ یہاں گواہی کا معاملہ درپیش ہے۔ جو کچھ کہ تمام آدمیوں سے بد و نیک افعال صادر ہوئے اُنکی گواہی کے لئے خدا یتعالے نے امت وسط کو منتخب اور جو کچھ کہ امور امت وسط سے ظاہر ہوئے اُن کا گواہ رسول اللہ کو قرار دیا۔

۲ ظاہر ہے کہ گواہی وہی قابل اعتبار اور مستحق سماعت ہو سکتی ہے جو چشم دید واقعہ کے متعلق ہو۔ اگر کوئی شخص موقع واردات پر حاضر نہو اور کسی کے فعل کو نہ جانتا ہو وہ کیا گواہی دیگا۔ اور اُسکی گواہی کب قابل اعتبار ہوسکیگی۔

۳ بنی آدم کی ابتدا جناب آدم سے ہوئی جن کو دنیا میں آئے ہوئے سات ہزار برس سے زیادہ کا زمانہ گزر گیا۔ اور سلسلہ بنی آدم کا قیامت تک رہیگا۔

لہذا ضروری ہوا کہ جو کوئی بنی آدم کا گواہ بنایا جائے وہ انکے ابتدائے وجود سے انتہائے وجود تک ساتھ ساتھ رہے۔ تاکہ ہر امر نیک و بد کو اُنکے دیکھتا رہے اور وقت شہادت سچی گواہی اور چشم دید بیان اپنا پیش کرسکے۔

نیز رسول اللہ کے لئے بھی لازم ہے کہ جن کے وہ گواہ بنائے گئے ہیں اُنکے ابتدائے وجود اور انتہائے وجود کے حالات سب جانتے ہوں۔ ورنہ گواہی قابل اعتبار نہوگی۔

اب ہم غور کرتے ہیں کہ وہ کونسے لوگ ہیں جو ابتدائے خلقتِ آدم سے قبل پیدا ہوئے اور آدم و بنی آدم کے تمام حالات سے مطلع رہے تو سوائے رسول اللہؐ اور اُنکے اہلبیت کے کوئی نظر نہیں آتا۔ البتہ یہ بزرگوار ایسے ہیں جو سب سے پہلے خلق ہوئے اور سب کے ساتھ رہے۔ چنانچہ حدیث نور میں جناب رسالتمآب کا خود ارشاد صحیح متواتر موجود ہے کہ خلقت انا و علیؑ من نور واحد نسبح اللہ عزوجل فی یمنة

العرش قبل خلق الدنیا ولقد سکن آدم الجنة ونحن فی صلبہ ولقد رکب نوح السفینة ونحن فی صلبہ ولقد قذف ابراہیم فی النار ونحن فی صلبہ فلم نزل یقلبنا اللہ عز وجل من اصلاب طاہرة الی ارحام طاہرة حتیٰ انتہیٰ بنا الی عبد المطلب فجعل ذالک النور بنصفین فجعلنی فی صلب عبد اللہ وجعل علیاً فی صلب ابیطالب وجعل فیّ النبوة وجعل فی علی الفروسیة والفصاحة انتہیٰ بقدر الحاجة (کتاب زین الفتیٰ فی شرح سورة ہل اتیٰ لابی محمد احمد بن علی العاصمی السنی)

یعنی خدا تعالےٰ نے مجھ کو اور علی کو ایک نور سے پیدا کیا۔ یہ نور خدا تعالےٰ کی تسبیح جانب راست عرش میں کرتا رہا قبل اس سے کہ دنیا پیدا ہو۔ آدم جب جنت میں ساکن ہوئے تو ہم انکے صلب میں موجود تھے۔ نوح جب کشتی میں بیٹھے تو ہم انکے صلب میں موجود تھے۔ ابراہیم جب آگ میں پھینکے گئے تو ہم انکے صلب میں موجود تھے اسی طرح برابر ہمیں پروردگار عالم اصلاب پاک سے رحمہائے پاک کی طرف منتقل کرتا رہا۔ یہانتک کہ ہمیں عبد المطلب تک پہنچایا۔ پھر اس نور کے دو حصے کیے مجھے تو عبد اللہ کے صلب میں رکھا اور علی کو ابو طالب کے صلب میں۔ مجھ میں نبوت و رسالت قرار دی اور علی میں شہسواری اور فصاحت“

اس حدیث نے کئی باتیں بتائیں ۱۔ یہ کہ رسول اللہ اور علی بن ابیطالب علیہما السلام دونوں کی خلقت ایک ساتھ ہے ۲۔ یہ کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے یہ دونوں بزرگوار موجود تھے ۳۔ یہ کہ بنی آدم اور آدم کے ساتھ ساتھ رہے۔

یہ تینوں باتیں بتا رہی ہیں کہ اگر کوئی شخص تمام آدمیوں کی گواہی کے لئے موضوع ہوسکتا ہے تو وہ صرف رسول و اہلبیت رسول ہیں۔ بسبب قدامت وجود اور ہمراہی بنی آدم کے۔

صرف یہی نہیں ہے کہ جناب سرور کائنات اور علی مرتضیٰ ہی سب سے پہلے پیدا ہوئے اور انکے ساتھ ساتھ رہے بلکہ دیگر ائمہ طاہرین کی خلقت بھی اُن ہی کے

ساتھ ساتھ ہوئی ہے۔ چنانچہ ابوالفتح محمد بن علی بن ابراہیم نطنزی نے کتاب خصائص علویہ میں اور ابراہیم بن محمد بن ابی بکر بن ابی الحسن بن محمد بن حمویہ جوینی نے کتاب فرائد السمطین میں ان کے وجود سابق اور سعیہ نور رسول اللہ کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں عن سلمان الفارسی قال سمعت رسول اللہ ص یقول خلقت انا و علی بن ابیطالب من نور عن یمین العرش نسبح اللہ ونقدسہ من قبل ان یخلق اللہ عزوجل آدم باربع الاف سنۃ فلما خلق اللہ آدم نقلنا الی اصلاب الرجال الطاہرین وارحام النساء الطاہرات ثم نقلنا الی صلب عبد المطلب وقسمنا بنصفین فجعل النصف فی صلب عبد اللہ وجعل النصف فی صلب ابیطالب فخلقت من ذلک النصف وخلق علی من النصف الآخر واشتق اللہ لنا من اسمائہ اسماً واللہ محمود وانا محمد واللہ علی واخی علیؑ واللہ فاطر وابنتی فاطمۃ واللہ محسن وابناے الحسن والحسین فکان اسمی فی الرسالۃ والنبوۃ وکان اسمہ فی الخلافۃ والشجاعۃ"

نیز اسحاق بن اسمٰعیل نیشاپوری نے (ینابیع المودہ صفحہ ۱۰) اپنی کتاب میں جناب صادق آل محمد سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ جناب رسالت مآب ص فرماتے تھے خلقت من نور اللہ عزوجل وخلق اہلبیتی من نوری" انتہے بقدر الحاجۃ یعنی میں نور خدا سے پیدا کیا گیا ہوں اور میرے اہلبیت میرے نور سے مخلوق ہوئے ہیں۔ نیز امام حسن علیہ السلام کا ارشاد علامہ قندوزی نے ینابیع کے صفحہ ۸۰ پر نقل کیا ہے کہ حضرت فرماتے تھے سمعت جدی رسول اللہ ص یقول خلقت انا من نور اللہ وخلق اہلبیتی من نوری وخلق محبیہم من نورھم وسائر الناس فی النار۔

نیز تفسیر در منثور میں سیوطی نے ابن النجار سے اور قندوزی حنفی نے ینابیع میں۔ اور ابن مغازلی شافعی نے اپنی مناقب میں فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ

کے متعلق لکھا ہے "قال سئلہ بحق محمدؐ و علی و فاطمۃ والحسن والحسین فتاب علیہ وغفر لہ"۔

نیز قندوزی نے اشباح نورانیہ کا قبل خلقت آدم ہونا اور آدم کا پروردگار عالم سے ان صور و اشباح کے متعلق سوال کرنا اور پروردگار عالم کا نام بنام از رسول اللہ تا امام حسین علیہ السلام سب کو بیان کرنا لکھا ہے (صفحہ ۹۷ ینابیع)

اور احادیث شیعہ میں بارھوں اماموں کے مفصل نام اور انکے اشباح کا قبل آدم مخلوق ہونا مذکور ہے۔ بالجملہ ان مجموع روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ بزرگوار قبل آدم پیدا ہوئے اور انکے اور انکی اولاد کے ساتھ ساتھ رہے لہذا یہی لوگ اس امر کے حقدار ہو سکتے ہیں کہ خدا تعالے کی جناب میں گواہ بن سکیں۔

نیز یہ بھی ضرور ہے کہ جو شخص خدا تعالے کی جناب میں گواہی کے لئے منتخب ہوگا اُسے افضل خلق ہونا لازم ہے اور بذاتہ بھی اُسے انتہا مرتبہ کی سعادت پر فائز ہونا ضروری ہے۔ ورنہ وہ کس منہ سے اس جناب میں کھڑا ہوگا۔ اور معلوم ہے کہ رسول اللہ اور اہلبیت طاہرین کے سوا افضل تمام خلق کوئی نہیں لہذا انہی کو گواہ خلق ہونا چاہئے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ آدم سے لیکر گیارہویں امام تک تو گواہ خلق دنیا میں موجود رہے مگر کیا انکے بعد کے آدمی گواہی دئے جانے سے مستثنیٰ ہوگئے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ لتکونوا شہداء علی الناس بتا رہا ہے کہ قیامت تک کے آدمیوں پر گواہی دینے کے لئے یہ حضرات مخاطبین منتخب کئے گئے۔ لہذا آیندہ کی نسلوں کے ساتھ ساتھ بھی کسی کو اُنہیں سے رہنا لازم ہے تاکہ وہ گواہی دینے کا حقدار ہو سکے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعد امام یازدہم کے ایک نہ ایک شخص ضرور زندہ و موجود ہے اور آیندہ بھی اُس وقت تک رہیگا جب تک انسانی نسل کا انقراض نہ ہوئے۔ پس وہی بارھواں امام ہے جسکی بشارت رسول اللہ نے دی ہے کہ یملا الارض قسطاً و عدلا کما ملئت ظلماً و جورا۔

اور جبکہ دنیا کا کوئی مسلمان کسی غیر شخص کو ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ اب تک زندہ

ہے بلکہ اگر بیان کرتا ہے تو صرف جناب امام مہدی آخر الزمان کو لہذا انکو اب تک اور آئندہ بھی زندہ رہنا لازم ہوا۔ وہو المطلوب۔

رہا یہ خیال کہ اس آیت میں جعلنا کم سے مراد کل امت محمدیہ ہے بالکل غلط ہے اس وجہ سے کہ اولاً اس تمام امت پر لفظ امۃ وسطا نہیں صادق آتا یعنی امت عادلہ کیونکہ لاکھوں بلکہ کروروں فاسق فاجر اور زنا کار ہیں۔ ثانیاً یہ کہ گواہی کے لئے جناب باری میں معصوم شخص کو حاضر ہونا چاہئے نہ اُسے جو خود گنہگار ہو۔ حالانکہ تمام امت کے کروروں افراد گناہگار ہی ہیں۔ پھر وہ آیا اپنے تئیں سنبھالینگے یا دوسروں کی خبر لینگے۔ ثالثاً گواہی دئے جانے والوں میں یہ امت بھی ہے جیسا کہ لفظ علی الناس بتا رہا ہے تو آیا وہ لوگ خود اپنے اوپر گواہی دینگے یا انکی گواہی کے لئے دوسرے لوگ منتخب ہونگے۔ اگر خود ہی اپنی گواہی دینگے اور اپنے آپ کو نیکوکار ثابت کرینگے تو کسی طرح مقبول نہیں۔ اسلئے کہ گواہی کسی شخص کی اپنے حق میں بالکل قابل اعتبار نہیں سمجھی جاتی عقلاً اور عرفاً دونوں طرح سے۔ اور اگر دوسرے لوگ ہونگے جو عموم امت سے علیحدہ ہیں تو ہمارا مطلب حاصل ہے کیونکہ ہمارا دعوے یہی ہے کہ عام امت محمدیہ کے علاوہ کچھ لوگ جو معصوم ہیں وہی گواہی کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔ رابعاً جبکہ بہتر سے بہتر شخص گواہی کے لئے مل سکتا ہو تو اس سے کم درجے کے شخص کو منتخب کرنا ترجیح مرجوح ہے جو عقلاً قبیح ہے۔ لہذا معصوم کے ہوتے ہوئے غیر معصوم ہرگز منتخب نہیں ہوسکتا۔ اور معلوم ہے کہ سوائے اہلبیت رسول کے عموم امت محمدیہ معصوم نہیں لہذا وہ گواہ بھی نہیں ہوسکتی۔ خامساً یہ کہ گواہ کو تمام واقعات سے مطلع ہونا لازم ہے خواہ ظاہر ہوں یا خفی۔ جہاریہ ہوں یا اسراریہ۔ اور معلوم ہے کہ امت محمدیہ میں کوئی ایسا شخص جو اس صفت سے متصف ہو سوائے آل رسول کے نہیں اس لئے کہ ان ہی میں وہ قوت علمیہ ودیعت کی گئی ہے جسکی وجہ سے یہ لوگ ابواب شہر علم ہوسکے لہذا عام امت جس میں یہ صفت نہو ہرگز گواہی کی سزاوار نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اُن خاص افراد کو گواہ ہونا چاہئے جو مخازن علوم و مطلع بر اسرار خفیہ ہیں۔

تیسری دلیل۔ "وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ" یہ آیت

جناب ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں سورہ زخرف جزو ۲۵ میں مذکور ہے۔
پروردگار عالم فرماتا ہے کہ دعوت توحید اور دعوت ایمان کو ہم نے ایک کلمہ باقیہ ان کی نسل میں قرار دیا ہے تاکہ اسکی طرف رجوع کریں۔ اسکی تفسیر میں امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں فلا یزال فیہم من یوحد اللہ ویدعوا الی توحیدہ یعنی اس آیت سے ثابت ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ نسل ابراہیم میں ایک ایسا شخص رہیگا جو خود موحد ہو اور لوگوں کو خدا کی توحید کی طرف دعوت کرے" جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا مقرر کردہ ایک ہادی اور داعی الی التوحید ہر زمانے میں موجود رہنا چاہیئے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ آیا اس زمانے میں بھی خدا یتعالے کا مقرر کردہ کوئی داعی توحید موجود ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو ہمارا مطلب حاصل ہے اور اگر نہیں ہے تو آیت قرآنیہ کا غلط ہونا لازم آتا ہے حالانکہ آیت کبھی غلط نہیں ہوسکتی۔ لہذا ماننا پڑیگا کہ بعد رسول اللہ کے اس وقت تک ایک داعی بنا بر حکم آیۂ مذکورہ کے ضروری ہے اب اہل اسلام کو اختیار ہے اُسکا نام جو کچھ بتائیں لیکن اُس کے طول عمر میں کوئی شبہہ نہیں ہے۔ اور یہی مقصود ہے کہ داعی اسلام معصوم و امام اس وقت بھی موجود ہے۔

چوتھی دلیل امام احمد بن حنبل نے کتاب مسند کے باب مناقب میں یہ حدیث لکھی ہے اور جیسے ینابیع المودہ کے صفحہ ۱۹ مطبوعہ مصر میں شیخ سلیمان قندوزی بلخی نے نقل فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا النجوم امان لاھل السماء فاذا ذھبت النجوم ذھب اھل السماء واھلبیتی امان لاھل الارض فاذا ذھب اھلبیتی ذھب اھل الارض" ستارے امان ہیں اہل آسمان کے لئے پس اگر ستارے فنا ہوجائیں تو اہل آسمان فنا ہوجائینگے۔ اور میرے اہلبیت اہل زمین کے لئے امان ہیں پس اگر میرے اہلبیت فنا ہوجائیں تو اہل زمین فنا ہوجائینگے اس حدیث نے بتایا کہ اب بھی اہلبیت رسول میں سے کوئی شخص زمین پر موجود

ہے جسکی موجودگی باعث بقائے اہل زمین ہے ورنہ اب تک چاہیئے تھا کہ اہل زمین فنا ہو گئے ہوتے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں اہلبیت سے مراد عام امت رسول یا محض اصحاب رسول یا عام قرابت داران رسول۔ یا ازواج نہیں ہیں۔ اس وجہ سے کہ ازواج کا فوت ہو چکنا یقینیات سے ہے مگر اُنکے مرنے سے اہل زمین پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ نیز تمام اصحاب رسول بھی فنا ہو گئے۔ اب اُن میں سے کوئی باقی نہیں۔ پھر بھی اہل زمین پر کوئی اثر نہوا۔ جیسے تھے ویسے ہی اب بھی باقی ہیں۔ نیز عام قرابت داران قریبہ بھی فنا ہو گئے۔ مگر اہل زمین علے حالہم زندہ و قائم ہیں۔ رہی عام امت ایہ ہرگز اس حدیث سے مراد نہیں ہو سکتی اس لئے کہ امان اہل زمین ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ معاصی اور گناہوں سے مبرّا ہو۔ عام گناہگار جو خود اپنے گناہوں کے بار کے نیچے دبا ہوا ہے۔ وہ اپنے آپ کو تو امان دے نہیں سکتا۔ دوسروں کو کیا بچائیگا۔ لہذا کوئی بے خطا اور بے گناہ شخص ہونا چاہیئے جسکی عصمت پر اتفاق تمام عقلا کا ہو۔ اور وہ نہیں ہے اِلّا مہدی موعود علیہ السلام پس معلوم ہوا کہ وہی حضرت اب تک باقی ہیں جنکے قدموں کی برکت سے اہل زمین بھی باقی ہیں۔

اس حدیث میں جناب سرور کائنات نے اپنے تئیں باعث امان اہل زمین نہیں فرمایا۔ حالانکہ اگر فرماتے تو بیجا نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ کی حیات و موت دونوں خلق کے لئے رحمت ہے اور آپ ہر حال میں امان خلق ہو سکتے تھے مگر چونکہ مقصود یہ تھا کہ جو شخص بحیات ظاہری زندہ ہو وہ زیادہ امان ہونے کا حق رکھتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم تھا کہ خود آنحضرت بہت دنوں بحیات ظاہری زندہ نہیں رہینگے۔ بلکہ یہ صفت آپ کے اہلبیت میں سے ایک بزرگ کے لئے حاصل ہونے والی ہے۔ لہذا آپ نے اہلبیت کی تخصیص فرمادی۔ اور ارشاد فرمایا کہ میرے اہلبیت اہل زمین کے لئے امان ہیں۔

اس حدیث کو حمویئی نے بھی نقل کیا ہے۔ حاکم نے بھی جابر سے اسکی روایت کی ہے۔

خود امام احمد بن حنبل نے اس روایت میں انس بن مالک تک سند پہنچا کر اس مطلب کو لکھا ہے۔ اور علےٰ ہذا القیاس بہت سے علمائے اسلام نے اسے نقل فرمایا ہے جسکا جی چاہے مطولات کتب کا مطالعہ کرلے۔ اس باب میں کتاب غایۃ المرام ملا ہاشم بحرینی کامل ترین کتاب ہے۔

پانچویں دلیل حدیث ثقلین ہے جسے بڑے بڑے صحابہ نے روایت کیا ہے اور بڑے بڑے محدثین نے مثل محمد بن علی الحکم ترمذی۔ امام مسلم۔ امام احمد بن حنبل۔ بیہقی اور حاکم وغیرہم نے اپنی اپنی کتب مسانید وصحاح وسنن میں نقل فرمایا ہے۔ ترمذی کی عبارت حسب ذیل ہے۔ قال رسول اللہ ؐ انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اھلبیتی ولن یفترقا حتیٰ یردا علیّ الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھا " یعنی رسول خدا نے فرمایا کہ میں تم میں وہ چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس سے متمسک رہے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہوگے۔ ایک اُن میں سے بہ نسبت دوسری کے اعظم ہے۔ ایک کتاب خدا ہے جو رسن دراز ہے آسمان سے زمین تک اور دوسری میری عترت ہے جو میرے اہلبیت ہیں۔ ہرگز یہ دونوں باہم جدا نہونگے جب تک حوض کوثر پر میرے پاس نہ آلیں۔ تو دیکھو تم لوگ میرے بعد ان دونوں سے کیا برتاؤ کرتے ہو"۔

اس حدیث میں اہلبیت کو قرآن مجید کا مع قرار دیا گیا ہے اور صاف لفظوں میں ارشاد ہوا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہونگے۔ جب تک قرآن مجید موجود ہے تب تک اہلبیت میں سے بھی کوئی نہ کوئی ضرور موجود رہیگا۔ بلکہ یہ معیت قیامت تک متصل رہیگی۔ کوئی زمانہ ایسا نہ ہوگا جس میں قرآن موجود ہو اور اہلبیت کا وجود نہو یا اہلبیت موجود رہیں اور قرآن مجید کا وجود نہو۔

اب ہمارے مخالفین بتائیں کہ وہ فرد اہلبیت اس وقت کونسی موجود ہے جو قرآن سے جدا نہیں اور اُس کے ساتھ ساتھ ہے۔ قرآن مجید تو آج بھی اُسی طرح موجود

ہے جیسا کہ پہلے موجود تھا۔ پھر اُس کے ساتھ اہلبیت میں سے کسی فرد کو موجود نہ ماننا رسول اللہ کی صریح تکذیب نہیں تو اور کیا ہے؟ حالانکہ ہر شخص جسے اسلام کا اپنے کچھ بھی خیال ہے ایسی جرات نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ کو جھوٹا سمجھے اور بلاوجہ اپنے اسلام سے دست بردار ہو جائے۔ لہذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ امام **مہدی آخر الزمان** کے وجود فعلی کو تسلیم کریں ورنہ ہرگز اس تکذیب کی حالت میں وہ مسلمان نہیں رہ سکتے۔

توضیحاً اس قدر اور کہدینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ حدیث نہایت اہتمام کو ظاہر فرما رہے ہیں۔ **پہلے** فرمایا ان تمسکتم بھما اگر تم لوگ ان دونوں سے متمسک رہے۔ جو صاف بتا رہا ہے کہ دونوں کا وجود ایک وقت میں ضروری ہے اگر ضروری نہوتا تو آپ اشارہ علیحدگی کا کسی نہ کسی لفظ سے ضرور فرما دیتے۔ **دوسرے** فرمایا لن تضلوا بعدی اگر میرے بعد ان دونوں سے متمسک رہے تو کبھی کبھی گمراہ نہوگے۔ **تیسرے** فرمایا لن یفترقا ہرگز ہرگز جدا نہونگے۔ ساتھ ہی ساتھ رہینگے۔ لفظ لن سے جو مفید معنی ہمیشگی ہے آپ نے ان دونوں کے متصل بقاو قیام کو ظاہر فرما دیا۔ جس کا لازمی نتیجہ اس وقت تک اہلبیت کا وجود بھی ہے۔ **چوتھے** اور تاکید کی اور فرمایا کہ حتیٰ یردا علی الحوض قیامت تک جُدا نہ ہونگے۔ **پانچویں** پھر دونوں کے متعلق ایک تہدیدی وصیت کی اور فرمایا فانظروا کیف تخلفونی فیھما دیکھو ذرا خیال رکھنا کہ کیسا برتاؤ ان کے ساتھ کروگے۔ ایسا نہو کہ میرے حکم کے برخلاف کرو۔ اب اس سے بڑھ کر اور کیا تاکید ہو سکتی ہے اور کن لفظوں میں کسی کو سمجھایا جاتا ہے۔

یہ مطلب جسے میں نے اس حدیث شریف سے سمجھایا ہے قبل بھی بعض اذہان کی طرف منتقل ہوا ہے۔ چنانچہ یہ فقیر جب یہاں تک اپنی تحریر میں پہنچا تو مجلد ثقلین عبقات الانوار میں ایک زبردست عالم سُنی کی تحریر پائی جو ہو بہو میرے

خیال کے مطابق ہے۔ تائیداً اُسے بھی نقل کیا جاتا ہے۔

محمد بن عبد الباقی بن یوسف ازہری زرقانی مالکی شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں

واما الاقتداء فانما یکون بالعلماء العاملین منھم اذ ھم الذین لا یفارقون القرآن یعنی اہلبیت کی اقتدا کے متعلق یہ ہے کہ جو ان میں سے عالم عامل ہیں اُنکی اقتدا کرنی چاہیئے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو قرآن سے جدا نہ ہونگے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں قال الشریف السمھودی ھذا الخبر یفھم منہ وجود من یکون اھلا للتمسک بہ من عترتہ فی کل زمان الی قیام الساعۃ حتی یتوجہ الحث المذکور علی التمسک بہ کما ان الکتاب کذلک فلذا کانوا اماناً لاھل الارض فاذا ذھبوا ذھب اھل الارض" (جلد حدیث ثقلین عبقات صفحہ ۵۱۳)

یعنی علامہ شریف سمہودی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے (صاف) مفہوم ہوتا ہے کہ ایک شخص ہر زمانے میں عترت رسول اللہ میں سے موجود رہے جو قابل تمسک ہو۔ اور کوئی زمانہ قیامت تک اُس سے خالی نہو تاکہ یہ برانگیختگی جو اہلبیت کے ساتھ متمسک ہونے میں فرمائی گئی ہے پوری ہو سکے (کیونکہ اگر ان میں سے کوئی موجود ہی نہوگا تو کس کے ساتھ متمسک ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور کس کے متعلق اس قدر اہتمام کیا گیا ہے) چنانچہ قرآن بھی اسی طرح ہے یعنی وہ موجود ہے تو اہلبیت میں سے بھی کسی کو موجود رہنا چاہیئے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ (عترۃ رسول) اہل زمین کے لئے امان ہیں۔ پس جبکہ یہ لوگ ختم ہو جائینگے تو اہل زمین بھی ختم ہو جائینگے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جس طرح اس فقیر نے وجود صاحب الامر علیہ السلام پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے اُسی طرح علامہ سمہودی نے بھی بر بنائے بیان زرقانی کے استدلال کیا ہے فالحمد للہ کہ دونوں فریق اس حدیث سے استدلال کرنے میں وجود

امام عصر پر متفق ہو گئے۔

چھٹی دلیل عالم جلیل حموینی شافعی نے کتاب فرائد السمطین میں ایک طولانی روایت کو نقل کیا ہے جسے صاحب ینابیع المودۃ نے بھی اپنی کتاب مطبوعۂ مصر کے صفحہ ۴۹۴ پر لکھا ہے۔ اُس حدیث کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے وھو الذی یشك فی ولادتہ وھو صاحب الغیبۃ فاذا خرج اشرقت الارض بنور ربھا۔ امام مہدی آخر الزمان وہ ہے جس کی ولادت میں بھی لوگوں کو شک ہوگا۔ اور وہ صاحب غیبت ہے یعنی نگاہوں سے غائب رہیگا۔ جب خروج کریگا تو زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھیگی۔"

اس حدیث میں جو پیشنگوئی فرمائی گئی ہے وہ بالکل واقع کے مطابق نکلی۔ کیونکہ علمائے اہلسنت میں اکثروں کو آج تک آپ کی ولادت میں شبہہ ہے۔ کہ ابھی پیدا ہوئے یا آیندہ ہونگے۔

نیز اس حدیث میں آپ کی ولادت اور غیبت دونوں کا پتہ دیا گیا ہے جسے عموماً شیعیان اثنا عشری مانتے اور اس کی رو سے آپ کو زندہ کہتے ہیں۔ نیز لفظ خرج صاف بتا رہا ہے کہ ابھی تک اُنہیں موت نہیں آئی ہے۔ بلکہ زندہ و مستتر ہیں۔ اور ایک وقت میں خروج کرینگے۔ اگر موجود نہوتے اور انتقال فرماگئے ہوتے تو بعث فرمایا جاتا یا اور کوئی لفظ جو موہمی حیات بعد الموت کا ہو جیسا کہ جناب عزیر کی نسبت قرآن میں فرمایا ہے اماتہ اللہ مأۃ عامٍ ثمّ بعثہ قال کم لبثت الخ۔

لیکن چونکہ امام مہدی حجت اب تک زندہ ہیں لہذا خرج فرمایا۔

ساتویں دلیل نیز حموینی نے فرائد السمطین میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے المھدی من ولدی تکون لہ غیبۃ اذا ظھر یملأ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت

جوراً وظلماً مہدی میرے فرزندوں میں سے ہوگا وہ غائب رہیگا جب ظاہر ہوگا تو زمین کو انصاف وعدل سے بھر دیگا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی۔ یعنی زمین پر بجائے ظلم وجور کے عدل وانصاف کا رواج دیگا" یہ حدیث اس حدیث کی شرح وتفسیر ہے جسے حکیم ترمذی۔ ابو داؤد اور دیگر محدثین اہلسنت نے اپنی اپنی کتب احادیث میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا لاتذهب الدنیا حتی یملك العرب رجل من اهلبیتی یواطی اسمه اسمی" اور یہ کہ لولم یبق من الدنیا الا یوم لطوّل الله ذلك الیوم حتی یبعث الله فیه رجلاً من اهلبیتی یواطی اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلماً وجوراً" یعنی دنیا کا دور ختم نہوگا جب تک کہ ملک عرب یا عرب کا مالک ایک شخص میرے اہلبیت میں سے نہوے اور بنابر روایت ابو داؤد کے یہ ہے کہ اگر دنیا کا ایک دن بھی رہ جائیگا (اور مہدی آخرالزمان کا خروج اُس وقت تک نہوا ہوگا) تو پروردگار عالم اُس دن کو طولانی کردیگا یہانتک کہ میرے اہلبیت میں سے ایک شخص کو برانگیختہ کرے جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا اور اُسکے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق۔ زمین کو عدل وداد سے مملو کریگا جس طرح وہ ظلم وجور سے مملو ہوگی۔

پس باوجود مطابقت ان دونوں حدیثوں کے اہلسنت کو کیا عذر ہو سکتا ہے؟

آٹھویں دلیل - روایت ابن عباس ہے جسے حموینی نے کتاب فرائد السمطین میں لکھا ہے چونکہ روایت طولانی ہے لہذا اُسکا محصل لکھا جاتا ہے۔ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک یہودی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چند سوال کئے جن کے جواب شافی پانے پر وہ مطمئن ہوا۔ پھر اُس نے آنحضرت سے آپ کے اوصیا کی بابت سوال کیا۔ آپ نے اُن کے نام ارشاد فرمائے اور کہا کہ انّ وصیی علی بن ابیطالب وبعدہ سبطای الحسن والحسین تتلوہ تسعۃ ائمۃ من صلب الحسین قال یا محمد فسمّہم لی قال اذا مضی الحسین فابنہ علیؑ فاذا مضی علیؑ فابنہ محمد فاذا مضی محمد

فابنہ جعفر فاذا مضیٰ جعفر فابنہ موسیٰ فاذا مضے موسیٰ فابنہ علیؑ
فاذا مضے علیؑ فابنہ محمدؑ فاذا مضیٰ محمدؑ فابنہ علیؑ فاذا مضیٰ علیؑ
فابنہ الحسن فاذا مضیٰ الحسن فابنہ الحجۃ محمد المہدی فہولاء
اثنا عشر"۔

اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں ۱ یہ کہ آپ کے اوصیا بارہ ہیں ۲ یہ کہ وہ بارہ اوصیا و خلفاء یہی ہیں جن کو اس حدیث میں بیان کیا ہے۔ اور جنہیں اثنا عشری ائمہؑ دوازدہ گانہ اور بعد رسول انکا حقیقی جانشین جانتے ہیں ۳ یہ کہ امام مہدی علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کی نسل سے ہونگے۔ نہ امام حسنؑ کی جیسا کہ بعض علمائے اہلسنت کا خیال ہے ۴ یہ کہ امام مہدی آخرالزماں فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں۔ جنکی ولادت ربیع الثانی ۲۳۲ھ اور وفات ربیع الاول ۲۶۰ھ میں ہوچکی ۵ یہ کہ امام مہدی علیہ السلام پیدا ہوچکے ہیں نہ یہ کہ آئندہ پیدا ہونگے جیسا کہ اہلسنت کا غلط خیال ہے۔ اس وجہ سے کہ جب وہ امام حسن عسکری کے فرزند ہیں اور وہ اپنے ایام عمر ختم کر کے دنیا سے تشریف بھی لیجا چکے تو اب آئندہ زمانے میں اُن کے فرزند کا پیدا ہونا کیا معنی رکھتا ہے ۶ یہ کہ امام مہدی جو بارھویں جانشین رسول اللہ کے ہیں اور جن کے بعد کوئی اور خلیفہ آنحضرت کا نہ ہوگا۔ اور جن کا انتظار دنیائے اسلام کو ہے وہ یہی ہیں نہ کوئی اور۔ کیونکہ جب بارہ پر سلسلۂ خلافت ختم ہوتا ہے اور بارھویں یہی بزرگوار ہیں تو انہی کو اب بھی موجود ہونا۔ اور انہی کا خروج آخر زمان میں ماننا پڑیگا۔ ورنہ اگر وہ مہدی کوئی دوسرے ہونگے جو آئندہ خروج کرینگے تو لازم آئیگا کہ رسول اللہ کے خلفا تیرہ ہوجائیں۔ حالانکہ سنی اور شیعہ کے کل فرق بلا استثنا صرف بارہ ہی خلفاء کے قائل ہیں ۷ یہ کہ اہلسنت جو ابوبکر و عمر وغیرہم کو خلفائے رسول اللہ

ف ۱ ولادت و وفات امام حسن عسکری علیہ السلام

مانتے ہیں صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر یہ بارہ بھی قائم رہیں اور انکے ساتھ وہ بارہ بھی خلفاء مانے جائیں جنہیں علمائے اہلسنت مانتے ہیں تو تعداد خلفاء چوبیس ہو جائیگی نہ بارہ کما لا یخفی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حدیث مذکور نے صاف لفظوں میں بتا دیا کہ جناب حجۃ العصر اب تک زندہ ہیں وہو المطلوب۔

نویں دلیل خود عرفائے ملت سنیہ کا اعتراف کہ اس وقت تک امام صاحب الزمان علیہ السلام موجود ہیں۔ یہ عرفاء و علماء وہ ہیں جنکی صداقت پر اہلسنت کو اتفاق ہے اور ہر امر میں ان کے اتباع کو اہم واجبات جانتے ہیں لہذا اس بیان میں بھی انکی تصدیق واجب ہے۔

اگرچہ ایسے علماء معترفین کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر میں یہاں پر صرف چند آدمیوں کے نام درج کرتا ہوں۔

اول شیخ محدث فقیہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن محمد گنجی شافعی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں ان المہدی ولد الحسن العسکری فہو حیؑ موجود باق منذ غیبتہ الی الآن۔" صفحہ ۴۷۱ ینابیع المودۃ۔ یعنی امام مہدی فرزند ہیں امام حسن عسکری کے۔ پس وہ زندہ۔ موجود اور باقی ہیں۔ اپنی غیبت کے زمانہ سے اس وقت تک۔

دوم۔ علامہ اکمل شیخ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی ہیں۔ اپنی کتاب مطالب السئول مطبوعہ لکھنؤ کے صفحہ ۳۰۰ میں فرماتے ہیں اما عمرہ فانہ ولد فی ایام المعتمد علی اللہ خاف فاختفی الی الان فلم یکن ذکر ذلک اذ من غاب وان انقطع خبرہ لا توجب غیبتہ وانقطاع خبرہ الحکم بمقدار عمرہ ولا بانقضاء حیاتہ"۔ یعنی آپ زمانہ معتمد باللہ عباسی میں متولد ہوئے۔ خوف سے پوشیدہ ہو گئے۔ اور اس وقت تک مخفی ہیں۔ اس وجہ سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کی عمر کتنی ہوگی اس لئے کہ جو شخص غائب ہے اگرچہ اسکی خبر نہ معلوم ہو لیکن محض غائب ہونے سے اور اس کی خبر نہ معلوم ہونے سے اسکی موت کا حکم نہیں

لگایا جاسکتا۔ اور نہ اُس کی زندگی کی مدت بتائی جاسکتی ہے۔" اسکے علاوہ بھی اسی کتاب میں عالم موصوف نے ایک طولانی بحث حضرت کی زندگی کی بابت کی ہے اور لکھا ہے کہ جب تمام وہ علامات جو رسول اللہؐ نے مہدی آخرالزماں کی بتائیں اُن پر منطبق ہیں تو لامحالہ وہ مہدی موعود یہی ہیں۔ نہ کوئی اور۔ چنانچہ فرماتے ہیں کتاب مطالب السئول صفحہ ۲۹۸ میں فاذا کانت الصفات التی ھی علامۃ دلالۃ لثبوت الاحکام المذکورۃ موجودۃ فی الحجۃ" الخلف الصالح محمدٍ تعیّن اثبات کون المھدی المشار الیہ من غیر جنوح الی الاحتمال بتجدد غیرہ فی الاستقبال" یعنی جبکہ وہ صفات جو کہ علامت ہیں ثبوت احکام مذکورہ کے دلالت کرنے کی حجت خلف صالح مہدی میں موجود ہیں تو معین ہوا کہ مہدی موعود مشار الیہ (جنکی بابت رسول اللہ نے اپنی احادیث میں اشارہ فرمایا ہے) ان ہی کو ہیں۔ بغیر اسکے کہ کوئی احتمال پیدا کریں کہ وہ آیندہ پیدا ہونگے۔"

سوم شیخ الشیوخ اکمل الکملا شیخ محی الدین عربی ہیں جو اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں ولہ رجال الٰھیون یقیمون دعوتہ وینصرونہ وھم الوزراء یحملون اثقال المملکۃ" (منقول از ینابیع المودۃ صفحہ ۴۶۸) حضرت مہدی کے ماتحت متعدد خدا پرست لوگ ہیں۔ جو آپ کی دعوت اسلامیہ کو قائم کرتے ہیں۔ اور آپ کے ناصر ہیں۔ وہی انکے وزیر ہیں جو بار سلطنت کو اٹھائے ہوئے ہیں۔

چہارم شیخ کامل عارف عبدالوہاب شعرانی ہیں جو اپنی کتاب یواقیت وجواہر میں مقر ہیں کہ آپ زندہ ہیں المھدی من ولد الامام الحسن العسکری ومولدہ النصف من شعبان سنۃ خمس وخمسین ومائتین وھو باق الی ان یجتمع بعیسی بن مریم (صفحہ ۴۷۰ ینابیع المودۃ) مہدی فرزند ہیں امام حسن عسکریؑ کے۔ ولادت انکی پندرھویں شعبان ۲۵۵ھ میں ہوئی اور وہ اب تک زندہ ہیں (اور رہینگے) یہاں تک کہ عیسےٰ بن مریم کے ساتھ مجتمع ہوں۔

پنجم شیخ حسن عراقی صوفی کامل ہیں۔ جنہوں نے اپنی ملاقات حضرت سے اور آپکے ہاتھ پر بیعت کرنا اپنا بیان کیا ہے۔ دیکھو ینابیع المودۃ صفحہ ۴۷۰ مطبوعہ مصر سطر ۲۲۔
ششم۔ عبداللطیف حلی عارف باللہ ہیں جو فرماتے ہیں کہ میرے بعض مشائخ (اساتذہ) مصر نے بیان کیا کہ ہم نے مہدی آخرالزمان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے (صفحہ ۴۷۱ ینابیع المودۃ)۔

نیز خود جناب شیخ عبدالوہاب شعرانی نے اپنی کتاب انوار قدسیہ میں حضرت سے اپنا دست بیع بیان کیا ہے۔ "نحن بایعنا المهدی علیه السلام بدمشق الشام وکنا عنده سبعة ایام" (ینابیع المودہ صفحہ ۴۷۰ سطر ۲۷) مہدی آخرالزمان سے دمشق شام میں ہم نے بیعت کی اور آپ کے پاس سات روز تک ٹھیرے رہے۔
ہفتم۔ شیخ محدث فقیہ نورالدین علی بن محمد مالکی نے کتاب فصول مہمہ میں لکھا ہے ان المهدی الموعود ابن الحسن العسکری بن علی النقی "مہدی موعود (وہی ہیں جو) فرزند ہیں امام حسن عسکری بن امام علی نقی کے" اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی ولادت ہو چکی اور انکار اسکا مکابرہ محض ہے۔
ہشتم۔ شیخ عطار نیشاپوری ہیں جو اپنے اشعار ذیل میں اقرار غیبت و وجود امام زمان کرتے ہیں۔ (ینابیع صفحہ ۴۷۳)

یا الٰہی مہدیم از غیب آر	تا جہان عدل گردد آشکار
مہدی ہادی ہست تاج اتقیا	بہترین خلق برج اولیا
اے توختم اولیائے این زماں	وز ہمہ معنی نہانی جان جان
اے تو ہم پیدا و پنہاں آمدہ	بندہ عطارت ثنا خوان آمدہ

نہم شیخ عبدالرحمن معروف بلا جامی ہیں جنہوں نے حضرات ائمہ علیہم السلام کے اسمائے متبرکہ کو سلسلہ وار تقسیم کرکے بتا دیا ہے کہ حضرت مہدی موعود امام آخرالزمان فرزند جناب امام حسن عسکری ہیں اور آپ پیدا ہو چکے ہیں اس میں ہرگز

شک نہیں - فرماتے ہیں -

من زمہر حیدرم ہر لحظہ اندر دل صفاست	از پے حیدر حسن مارا امام و رہنماست
ہمچو کلب افتادہ بر آستان بوالحسن	خاک نعلین حسین بر ہر دو چشم توتیاست
عابدین تاج سر و باقر دو چشم روشنم	دین جعفر برحق است و مذہب موسیٰ رواست
اے موالی وصف سلطان خراساں را شنو	ذرہ از خاک در او درد مندان را دواست
عسکری نور دو چشم عالم است و آدم است	ہمچو یک مہدی سپہ سالار دو عالم کجاست

یہ وہی ترتیب ائمہ علیہم السلام کی ہے جسکے شیعہ حضرات معتقد ہیں مگر افسوس کہ حضرات اہلسنت باوجود ایسے ایسے عارف باللہ اور کملائے علمائے صوفیین کے قائل بوجود امام زمان ہونے کے بھی راہ کج واکج چلتے اور شیعوں پر استہزاء کرتے ہیں -

دہم - شیخ عارف کامل شیخ الشیوخ عزیز بن محمد نسفی فرماتے ہیں کہ شیخ الشیوخ سعد الدین حموی نے بیان فرمایا ہے کہ پیغمبر خدا کے بھی بارہ اوصیا اسی طرح ہیں جیسے دیگر انبیا کے تھے - آخر میں فرمایا ہے کہ **اما ولی آخرین کہ نائب آخرین و ولی دوازدہم و نائب دوازدہم می باشد خاتم الاولیاء و مہدی صاحب الزمان نام اوست**"

یازدہم - علامہ ابن وردی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ امام محمد مہدی حسن عسکری کے فرزند ہیں ۲۵۵ھ میں متولد ہوئے (صفحہ ۱۴۶ - نور الابصار شبلنجی مطبوعہ مصر)

دوازدہم - محمد بن یوسف بن محمد شافعی گنجی نے کفایۃ الطالب کے پچیسویں باب میں لکھا ہے الباب الخامس والعشرون فی الدلالۃ علی کون المہدی حیاً باقیاً منذ غیبتہ الی الآن ولا امتناع فی بقائہ بدلیل بقاء عیسیٰ والخضر والیاس من اولیاء اللہ تعالیٰ وبقاء الدجال وابلیس اللعین من اعداء اللہ تعالیٰ وھؤلاء قد ثبت بقاءھم بالکتاب والسنۃ - ثم قال بعد اثبات وجود عیسیٰ

وغیرھم فما المانع من بقاء المھدی مع کون بقائہ باختیار اللہ وداخلا تحت مقدورہ سبحانہ وھو آیۃ الرسول فعلیٰ ھذا ھو اولیٰ بالبقاء من الاثنین الاٰخرین انتھے بقدر الحاجۃ۔

علاوہ انکے اور بھی علماء ہیں جنکی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے۔ بنظر اختصار اُنکے نام اس جگہ درج نہیں کیے گئے۔

اب میں اپنے کلام کو اُن دو شعروں پر ختم کرتا ہوں جنہیں حافظ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں لکھا ہے اور باوجود خود اقراری ہونے کے شیعوں پہ استہزا کیا ہے۔ وہ دونوں شعر مع اُنکے جواب کے جو اس فقیر نے نظم کیا ہے حسب ذیل ہیں۔ تم ابن حجر

ما اٰن للسرداب ان یلد الذی	کلمتموہ بجھلہ ما اٰنا
فعلیٰ عقولکم العفاء فانّکم	ثلثتم العنقاء والغیلانا

مقصود شاعر یہ ہے کہ ابھی کیا وقت نہیں آیا کہ سرداب سے وہ شخص پیدا ہو جسے تم (یعنی شیعہ) کہتے ہو کہ (وہ امام غائب ہے اور وہ سرداب ہی سے غائب ہوئے) اور کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا؟ تمہاری عقلوں پر خاک پڑے۔ تم لوگوں نے عنقا و غول کے علاوہ ایک تیسری شے بنا لی" یعنی اب تک تو وہی موہوم چیزوں کا اعتقاد جہلاء وعوام الناس کو تھا۔ یہ تیسرا موہوم تم نے اور بنا لیا کہ امام مہدی غائب اور زندہ ہیں۔ چونکہ یہ اشعار نہایت درجہ توہین آمیز الفاظ میں نظم کیے گئے ہیں اس وجہ سے ضرورت پڑی کہ فقیر محمد ہارون اُنکے جواب کو بھی ویسی ہی نظم میں پیش کرے۔ اور وہ یہ ہے

لعن الالٰہ الناصبیّ فانّہ	قد انکر الاٰیات والفرقانا
اولیس یؤمن بالالٰہ ورفعہ	عیسی بن مریم فی السماء جثمانا
ذلک المسیح ومثلہ ادریس	والخضر الجلیل کفوالنا ادعانا
اولست تعجب من بقاء حیاتھم	وتصیر فیمن بعدھم ھیمانا
لاغرو ان غاب الامام لحکمۃٍ	وبھا اقام لقومہ برھانا
بعدت عقولھم الغوا ترانّھم	قد اعرضوا عما یرون عیانا

یعنی خدا تعالیٰ اس ناصبی پر لعنت کرے کہ اسنے تو اپنے ان دونوں شعروں سے آیات الٰہیہ اور قرآن مجید کا انکار کر دیا۔ کیا اسے اپنے خدا پر ایمان نہیں کہ جس نے عیسےٰ بن مریمؑ کو اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر اُٹھالیا (اور وہ آج تک زندہ ہیں) یہ مسیحؑ اور ادریسؑ اور خضرؑ محترم ہمارے یقین کرنے کے لئے کافی ہیں (کہ جب یہ چند انسان زندہ رہ سکے تو ایک اور انسان بھی اگر بہت دنوں زندہ رہے تو کیا محال ہے؟) کیا تو ان حضرات کے زندہ رہنے سے تعجب نہیں کرتا۔ اور انکے بعد کسی فرد کے زندہ رہنے پر تجھے تعجب آتا ہے؟ یہ محض انکار حق کی وجہ سے تونے کہا ہے۔ تونے حق واضح کا انکار محض عداوت کی بنیاد پر کیا ہے۔

اگر امام علیہ السلام کسی حکمت کی وجہ سے غائب ہوئے اور اس سے اپنی قوم کے لئے کوئی دلیل قائم کر دی تو کیا مضائقہ ہوا۔ (گویا حضرت کی غیبت نے دیگر انبیاءؑ کی غیبت اور انکے طویل العمر ہونے کو ثابت کر دیا)۔

ان منکرین کی عقلیں تباہ ہوں کہ واضح سے واضح بات سے بھی مُنہ پھیر لیتے اور اُس سے انکار کرتے ہیں (تو آخر اسکا کیا علاج ہے) ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؛ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ، والصّلوٰۃ علی النبیّ الاوّاہ
واٰلہ البررۃ الھداۃ ، وعترتہ الخیرۃ التقاۃ

حررہ محمد ہارون غفراللہ لہ

تمام شد